تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان درجہ عالیہ کے پرچہ

علم بلاغت میں کامیابی کی ضمانت

# تلخیص مطوّل

(سوالاً جواباً)


مصنف

شیخ الحدیث علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی مدظلہ العالی

شیخ الحدیث جامعہ ہجویریہ داتا دربار لاہور



مکتبہ قادریہ ۔ لاہور

نام کتاب ——— تلخیص مطوّل (سوالاً جواباً)

مصنف ——— حضرت علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی سعیدی الازہری

ڈیزائننگ اکیوزنگ ——— محمد بشارت صدیق ہزاروی

ہدیہ ——— =/ روپے

ملنے کا پتہ

- محمد بشارت صدیق ہزاروی ناظم نشرواشاعت فقیہ ملت فاؤنڈیشن لاہور 0331-4036952
- مکتبہ اہل سنت جامعہ نظامیہ رضویہ اندرون لوہاری گیٹ لاہور Ph:37634478
- مکتبہ قادریہ داتا دربار مارکیٹ۔ لاہور 042-37226193
- مکتبہ اعلیٰ حضرت دربار مارکیٹ لاہور 042-37247301
- کرمانوالہ بک شاپ دوکان نمبر-۲ دربار مارکیٹ لاہور 042-37249515
- فضل حق خیرآبادی پبلی کیشنز دربار مارکیٹ داتا دربار لاہور
- شبیر برادرز اردو بازار لاہور

## ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علوم دینیہ کے حصول کے لیے درس نظامی (کورس) نہایت اہم اور جامع ہے اور اسی درس نظامی کی تعلیم وتعلم سے جید علماء کرام اور مفتیان عظام کا تحفہ مسلمان قوم کو حاصل ہوا۔

اگرچہ عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق اس نصاب میں جزوی تبدیلی وقت کی اہم ضرورت ہے۔

لیکن جب سے تنظیم المدارس کے تحت مدارس کے امتحانات کا سلسلہ شروع ہوا طلباء کی پوری یا زیادہ توجہ امتحانات کی طرف مبذول ہوگئی اور وہ دور (الا ماشاء اللہ) عنقاء ہوگیا جب استاذ اور شاگرد بھرپور مطالعہ کے ساتھ درس گاہ میں آتے تھے اور قیل وقال کا ایک سماں بندھتا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زمانہ ماضی میں جہاں امتحانات مقصود نہیں ہوتے تھے محض علم حاصل کرنا مطلوب تھا وہاں طلباء دیگر معروفیات سے بھی محفوظ تھے۔ آج کا طالب علم موبائل فون فوبیا کا شکار ہے، زیبائش وآرائش اور دیگر غیر ضروری اخراجات کے لیے ٹیوشن، امامت وخطابت اور خادمیت مسجد کا سہارا لینا بھی ضروری سمجھتا ہے۔

یہی نہیں مذہبی اور سیاسی جماعتیں اپنے جلسوں، جلوسوں اور ریلیوں کے لیے اسی مظلوم طبقہ کو استعمال کرتے ہیں۔ ان حالات میں طلباء کو امتحانات میں کامیابی کے لیے گائیڈ کی ضرورت پڑتی ہے۔

اور افسوسناک بات یہ ہے کہ گائیڈوں کے نام پر دوکانداری خوب چمک رہی ہے دوکاندار پیسہ کماتا ہے اور گائیڈ مرتب کرنے والا شہرت حاصل کرتا ہے جب کہ صورت حال یہ ہے کہ بعض گائیڈ تیار کرنے والوں نے شاید ان کتب کی کبھی تدریس بھی نہیں کی ہوتی۔

اس بنا پر ضروری سمجھا گیا کہ طلباء کو درسی کتب سوالاً جواباً مہیا کی جائیں تا کہ وہ اصل کتاب پڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کتب سے امتحان کی تیاری کریں راقم نے اس سے پہلے اصول الشاشی، صرف بہائی، نحو میر، تیسیر المنطق، مراح الارواح، تفسیر بیضاوی، حسامی اور دیگر کئی کتب پر اس انداز سے کام کیا اور الحمد للہ! اس سے طلباء کو فائدہ حاصل ہوا ہے۔

معطول علم بلاغت کی ایک اہم کتاب ہے اور اس امر کی اشد ضرورت تھی کہ اس کتاب کو آسان پیرائے میں طلباء تک پہنچایا جائے۔

چنانچہ اسی مقصد کے تحت اس کتاب کی تلخیص سوالاً جواباً مرتب کی گئی لیکن یہ بات یاد رہے کہ اس تلخیص میں تمام ضروری باتوں کو شامل کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ طلباءِ درس نظامی کو اس کتاب سے استفادہ کی توفیق عطا فرمائے اور راقم کے لیے اسے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین

محمد صدیق ہزاروی

۱۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۴ھ

۲۸ اپریل ۲۰۱۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## مقدمہ

### الحمد للہ سے لا سیما تک

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے (ثابت) ہیں جس نے معانی (فن اول) کے حقائق (مسائل) اور بیان (فن ثانی) کے دقائق (مسائل) ہمارے دلوں میں ڈالے اور عجیب وغریب نعمتوں اور تعجب خیز احسانات کے ساتھ ہمیں خاص کیا۔

اپنی حکمت سے کائنات کے نظام کو اس طریقے کے مطابق مضبوط کیا جس کا تقاضا حال (اور مقام) کرتا ہے اور اپنی مہربانی سے مخلوق کے گروہوں کو انعام واحسان کے راستوں میں لایا اور رحمت کاملہ اس کے نبی حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہو جو جود وکرم کی اصل سے پیدا ہونے والوں میں سے سب سے بہتر ہیں اور فصاحت کے عظیم درخت سے ظاہر ہونے والوں میں سب سے زیادہ شرف اور بزرگی والے ہیں۔

اور آپ کی آل پاک اور صحابہ کرام پر رحمت نازل ہو جن کے ذریعے حق کی پیشانی چمکی، دین کا چہرہ روشن رہا اور باطل کی تاریکی کمزور ہوگئی اور یقین کا نور چمک اٹھا۔

حمد وصلوٰۃ کے بعد! فضائل میں سے مقدم ہونے کا زیادہ حق رکھنے والی اور تعظیم کے استحقاق میں سب سے سبقت کرنے والی فضیلت علوم ومعارف کے حقائق سے مزین ہونا، اور فنون میں پائے جانے والے نکات اور لطیف باتوں کے احاطہ کے درپے ہونا ہے۔

**لا سیما سے ثم ان قد وقع تک**

خصوصاً علم بیان جو نظم قرآن کے نکات کی اطلاع دینے والا ہے یہ علم قرآن مجید کے حقائق کو تعجب خیز طریقے پر خوب واضح کرنے والا اور تاویل کی باریکیوں کی بلند پایہ چابی ہے۔

دلائل اعجاز اور اسرار بلاغت کا واضح بیان اور معالم اعجاز (ایجاز کی علامات) اور فصاحت کے آثار و علامات کی وضاحت کرنے والا ہے۔

کتاب اللہ (قرآن مجید) کی مشکل باریکیوں اور پیچیدہ مسائل کو واضح کرنے والا اور اس (قرآن مجید) کے مجمل و مفصل کے یکتا موتیوں کے لئے غوطہ زنی کے قریب کرتا ہے۔

اس کے قواعد چراغ کی روشنی میں تاویل کے انوار کی طرف کافی ہیں اس کے مسائل قرآن مجید کے اسرار (کے حصول) کے لیے جگروں کو جلانے (مشقت برداشت کرنے) سے شفاء بخش ہیں اس علم کے ذریعے قرآن مجید کی تراکیب کے آثار بطور وصف ظاہر ہوتے ہیں اسی اعتبار سے کہا گیا ہے کہ اس کے اسلوب کے سمندروں کا بھرپور پانی بطور وصف میٹھا ہے۔

شعر:

ترجمہ: مبالغہ کے ساتھ وصف بیان کرنے والا اس کے خصائص کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اگرچہ وہ ہر وصف کے بیان میں سبقت لے جائے۔

**ثم انہ قد وقع سے فتشمرت عن ساق الجد تک**

پھر یہ علم بیان ایک ایسی جماعت کے ہاتھوں میں چلا گیا جو تقلید کے قیدی

ہیں وہ اسے کسی تحقیق اور سیدھی راہ کی توفیق کے بغیر لیتے، اس کے مقاصد کی تحریر میں صرف قیل وقال (بحث ومباحثہ) کے گرد چکر لگاتے اور اس کی باریک باتوں کی تقریر میں صرف مقام اور حال کے ذکر پر اکتفا کرتے تھے۔

ان کی گردنیں تقلید کی رسی سے باہر نہیں نکلتی تھیں تا کہ ان کی آنکھوں کی پتلیاں تحقیق کے پانوں میں چڑ لیں (استفادہ کرلیں) اور ان کی آنکھوں سے تعصب کا پردہ نہیں اٹھتا تھا کہ تعقل (سمجھنے) کی باریکیاں ان کے دلوں میں نقش ہو جاتیں۔

ان کا کل سرمایہ جھگڑا اور دشمنی تھی اور ان کا بڑا فن ہدایت کے راستے سے پھرنا تھا اور اشارہ جس کی شان نہایت باریک ہے اور پوشیدہ نکات کو سمجھنے سے (ان دونوں سے) آگاہی دور ہو گئی۔

اور میں نے جب بعض فنون سے اپنی ضرورت کو پورا کر لیا اور میری نظر کے پیالوں نے اس کے اسرار کو بطور امانت رکھنے کا ارادہ کر لیا تو مدارج کمال کی طرف ترقی کے لیے میری ہمت کی صداقت اور لوگوں سے زبانی علم حاصل کرنے کی شدید حرص نے مجھے خوارزم کے شہر جرجانیہ کی طرف کوچ کرنے پر ابھارا۔

وہ مقام اہل علم کے سفر کی منزل اور ارباب فضیلت لوگوں کے خیمہ زن ہونے کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ اس کو زمانے کی ہلاکت خیزیوں سے دور اور حادثات کے اترنے سے محفوظ رکھے۔

## فشمرت سے وکان یعوفتنی تک

۱ پس میں نے علوم ومعارف کے ذخیرے حاصل کرنے اور لطیف باتوں کی آنکھوں سے پتلیاں لینے کے لیے کوشش کی پنڈلی سے کپڑا اٹھایا (محنت کی) اور زمانہ کا

کچھ حصہ علم بیان (کا) باریک باتوں کے بارے میں بحث مباحثہ میں گذارا۔

میں ان مشائخ کے پاس جانے لگا جنہوں نے اس (علم بیان) کے میدان میں سبقت کے (گاڑھے گئے) بانسوں کو جمع کیا۔

اور میں ان ماہرین کے ساتھ گفتگو کرتا تھا جنہوں نے اس (علم بیان) کے سمندروں میں یکتا موتیوں کی روشنی پر غوطہ لگایا (یعنی روشن یکتا موتیوں پر غوطہ لگایا) اور میرے دل میں اکثر یہ بات انگڑائی لے رہی تھی کہ میں کتاب تلخیص المفتاح کی شرح لکھوں جو امام علامہ اسلام کے ستون مخلوق کے پیشوا پچھلے علماء میں سے افضل اور علم کی گہرائی رکھنے والوں میں زیادہ کامل ہیں ملت اور دین کی بزرگی محمد بن عبدالرحمن قزوینی رحمہ اللہ خطیب جامع مسجد دمشق، اللہ تعالیٰ ان پر مغفرت کی موسلادھار بارش برسائے اور انہیں جنتوں کے اعلیٰ درجات میں ٹھکانہ عطا فرمائے کی طرف منسوب ہے۔

کیونکہ میں نے اس (کتاب) کو اس فن (بلاغت) کے روشن اصول اور قواعد میں مختصر (اور) جامع پایا یہ کتاب اس (فن) کے باریک مسائل اور فوائد کو گھیرے ہوئے ہے اور ان حقائق پر مشتمل ہے جو متقدمین کی آراء کا خلاصہ ہیں اور اس میں وہ دقیق (باریک) باتیں شامل ہیں جو متاخرین کے افکار کے نتائج ہیں اور یہ (کتاب) انتہائی طوالت اور بہت زیادہ اختصار سے کنارہ کش ہے اس پر دقیق ماخذ کی علامات اور اعجاز کے دلائل ظاہر ہیں۔

شعر:

اس کے ہر لفظ میں مطلوب کے باغات ہیں
اور اس کی ہر سطر میں موتیوں کے ہار ہیں

وکان یوم ھی سے خلاصت تک

اور مجھے اس (شرح لکھنے) سے یہ بات مانع تھی کہ میں ایسے زمانہ میں تھا
جس میں میں دیکھتا تھا کہ علم کے آثار مٹ گئے تھے اور اس کے معاہد (مدارس) کا
بازار مندا ہو گیا تھا (ختم ہو گیا تھا)

اس کی علامات اور نشانیاں مٹ چکی تھیں اور اس کے خیمے اور جھنڈے بھی
لپیٹے جا چکے تھے یہاں تک کہ علوم و فنون کے سمندر (علماء) غروب ہونے کے قریب ہو
گئے اور علماء نے گوشہ نشینی کے گوشوں کو پکڑ لیا

وہ علوم اور فضائل کے نشانات (کتابت) کے مٹ جانے پر حسرت کا اظہار
کرتے تھے اور عقل والے لوگوں کے حالات بدلنے پر افسوس کا اظہار کرتے تھے

شعر:

زمانہ عورتوں پر اسی طرح ہوتا ہے
اور اس دور میں علم کی اور اس کے نشانات مٹ جاتے ہیں

لیکن جب میں نے اس کتاب کو دیکھے اور حاصل کرنے کے طلبہ کو
بہت زیادہ رغبت دیکھی تو میں نے دیکھا کہ اس کے اسرار و تحقیق کا دور کرنے
کے لئے اپنی گردنیں پھیلا رہے ہیں (توجہ کر رہے ہیں) اور ان میں اکثر حضرات اس
کتاب میں لپٹے ہوئے اسرار اور رموز کی معرفت سے محروم ہیں کیونکہ اس وقت تک
اس کی شرح نہیں ہوئی تھی جو اس کی شرکت خوبیوں کے چہروں سے پردہ ہٹا سکے (خوبیوں سے
مراد ہیں)

تو بعض حاصل کرنے والوں کو دیکھو گے کہ مجھ سے ظاہر نہ ہوتا سے جو

کچھ سمجھا اسی پر اکتفاء کر لیا بغیر اس کے کہ ان کو حقیقت حال پر اطلاع ہوتی اور کچھ حضرات کسی راہنما کے بغیر اس (علم بیان) کے راستوں پر چلنے لگے تو انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا اور خود بھی سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

**فاختلست سے وقمصکت تک**

پس میں نے حصول علم کے دوران کچھ فرصت نکالی حالانکہ مجھے زمانے کی طرف سے مشکلات کے گھونٹ بھرنے پڑ رہے تھے پس میں بیداری کے مقامات میں داخل ہونا شروع ہوا اس حال میں کہ میں افکار کے سمندروں میں غوطہ زن ہوتا تھا اور نظر پڑنے کی جگہوں سے یکتا موتی چنتا تھا۔

اور میں ایسے علماء کے ہاں آمد ورفت کی جد وجہد کرنے لگا جن کی طرف انگلیوں سے اشارے کیے جاتے تھے (یعنی وہ علم میں معروف تھے) نیز ان کتب سے تعلق قائم کیا جو فن بیان میں تصنیف کی گئیں بالخصوص دلائل الاعجاز اور اسرار البلاغہ (نامی کتابیں) میں نے ان دونوں کتابوں کی ورق گردانی میں اپنی انتہائی طاقت اور ہمت صرف کی۔

پھر میں نے اس کتاب کی شرح کے لیے وہ چیزیں جمع کیں جو اس کے ان مشکل مقامات کو آسان کرتی تھیں جو آسان ہونے سے انکاری تھے اور اس کے پوشید خزانوں کے ذخیروں تک پہنچنے کا طریقہ آسان کر رہی تھیں۔

میں نے اس (شرح) میں یکتا نفیس موتی بطور امانت رکھے جو قدیم علماء کی کتب کی زینت تھے اور ایسے بلند مرتبہ فوائد جو ذہین لوگوں کے ذہنوں کی سخاوت ہے نیز ایسے عجیب نکات جن کی طرف میں نے توفیق کے نور سے راہنمائی حاصل کی اور وہ

لطیف فقرے جن کو میں نے تحقیق کی آنکھ سے حاصل کیا۔

**وتمسکت سے فتطرحت الاوراق تک**

میں نے اس کتاب پر وارد ہونے والے اعتراضات کو دور کرنے میں عدل و انصاف کا دامن تھاما اور جو اعتراضات سرکش اور بھٹکے ہوئے لوگوں کی طرف سے تھے میں نے ان کے رد سے پہلو تہی اختیار کی۔

میں نے مفتاح اور ایضاح (کتب) کی اکثر باریک باتوں کے حل کی طرف اشارہ کیا اور علامہ فاضل (قطب الدین) رحمہ اللہ سے مفتاح کی شرح میں جو چشم پوشی واقع ہوئی اس کی طرف بھی اشارہ کیا اور جن مقامات پر اس علم کو شروع کرنے والوں کے قدم پھسلے ان کی طرف بھی اشارہ کیا اور جن بعض حضرات نے اس کتاب کو کسی علمی سرمایہ کے بغیر حاصل کیا ان سے واقع ہونے والی خطاء سے بھی چشم پوشی کی اور میں نے اس جماعت کی اقتداء چھوڑ دی جو واجبات (ضروری باتوں) کی تحقیق سے روکے گئے (یعنی محروم ہوئے) اور میں نے واضح امور کو طوالت دینے کے سلسلے میں ان لوگوں کے طریقے کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا۔

اور جب میں ان لطیف باتوں کے ساتھ مضامین کو مسودہ بنانے سے فارغ ہوا۔

شعر:

مجھے زمانے نے مصائب کے ساتھ پھینک دیا حتیٰ کہ
میرا دل تیروں کے پردے میں ہوگیا
پس میں یوں ہو گیا کہ جب مجھے تیر پہنچے

تو میں تیر کے پھل کو (تیر کے) پھل پر توڑ دیتا ۔

اور اس کی وجہ ان خبروں کا تسلسل کے ساتھ آ نا تھا جو خراسان کے علاقے میں فتنوں کی موجوں کے تلاطم کی صورت میں میرے قبیلوں اور بھائیوں پر بڑی بڑی مصیبتیں کے بارے میں تھیں خصوصاً:

شعر

وہ علاقہ جہاں جوانی نے میرے تعویذ کھولے
اور وہ پہلی زمین جس کی مٹی میرے جسم کو پہنچی

یعنی جہاں میں پیدا ہوا اور جوان ہوا زمانے نے اس جگہ کے رہنے والوں پر دشمنی کی تلوار ننگی کر دی اور جو لوگ وہاں رہتے تھے ان کو ہلاک کر دیا۔ اور ان کے وطنوں سے صرف کھنڈرات چھوڑے مجھے ام اوفی کے بارے میں کچھ نہ بتایا گیا اور اس کی جماعت میں سے صرف ایک قوم (کچھ لوگ) بلدرح مجمی (نامی مقام) میں باقی رہے۔

گویا حجون اور صفا کے درمیان کوئی انیس (دوست) نہ تھا اور نہ ہی مکہ مکرمہ میں کوئی افسانہ گو تھا۔

فتنظر حت سے فهو الذی تک

پس میں نے ان اوراق (کاغذات) کو جدائی کے کونوں میں پھینک دیا۔ اور ان پر مکڑیوں نے نسیان (بھولنے) کے جالے بن دیئے پس میں نے اپنے اور ان کے درمیان پردہ ڈال دیا اور ان کو یوں قرار دیا گویا وہ کوئی یاد کی جانے والی چیز نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں زمانے کی شکایت کی جا سکتی ہے کہ جب وہ (یعنی زمانہ)

برے حال کا شکار بناتا ہے تو اسے برقرار رکھتا ہے اور اگر اچھائی اختیار کرتا ہے تو اسی وقت اس پر پشیمان ہو جاتا ہے۔

پھر بہت زیادہ پریشانی اور دل کی تنگی نے مجھے مجبور کر دیا کہ ایک (علاقہ) مجھے دوسرے علاقہ کی طرف پھینک دے اور بلندی مجھے پستی کی طرف کھینچ لے حتیٰ کہ میں نے خراسان کے شہر ہرات جو محفوظ تھا میں اپنا کوچ ختم کیا اللہ تعالیٰ اس (خطہ) کو آفات سے محفوظ فرمائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے میری آنکھوں کو نعمتوں کے باغ پاک شہر اور عزت والے مقام پر کھولا۔

(ترجمہ شعر) میں نے وہاں تمام اچھائیوں کو جمع کیا اور ان میں سے زیادہ حسین ایمان، امن اور برکت ہے۔

میں نے مشاہدہ کیا کہ علم اور ہدایت کے انوار بلند ہو گئے جہالت اور گمراہی کی آگ بجھ گئی اور مملکت کا سایہ پھیل گیا اور شریعت کا جھنڈا عزت کے ساتھ باندھا گیا (مضبوط ہو گیا) اور اسلام کی لکڑی تروتازگی کی طرف لوٹ گئی اور فضیلت کا باغ تروتازگی کی طرف پھر گیا اور مخلوق انتشار کے بعد منظم ہو گئی اور ان کی رسی ٹوٹنے کے بعد جڑ گئی اور مخلوق کو عدل واحسان کا سایہ نصیب ہو گیا اور انہوں نے امن واطمان کے باغ میں منزل اور ٹھکانہ اختیار کیا۔ اور یہ سب کچھ سلطان الاسلام کی وجہ سے تھا جو مخلوق پر اللہ تعالیٰ کے سایہ، جماعتوں کی گردنوں کے مالک دنیا میں اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اہل ایمان کے شہروں کے محافظ کفر اور سرکشی کے نشانات کو مٹانے والے اور سیدھی شریعت کے مددگار اور صراط مستقیم پر چلنے والے عدل وانصاف کے بچھونے بچھانے والے ظلم اور زیادتی کی بنیاد کو گرانے والے آفاق (زمین کے کناروں) میں حکومت کے جھنڈے کے والی

استحقاق کی بنیاد پر تخت خلافت کے مالک، امن وامان کے خیمے نصب کرنے کی کوشش کرنے والے نص قرآنی "بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے" پر عمل کرنے والے اللہ تعالیٰ کا حکم بلند کرنے میں خلوص اخلاص سے بھرپور ضمیر والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کرنے میں جن کی نیت سچی ہے۔

ترجمہ اشعار: وہ خلیفہ ہیں جن کا دبدبہ تمام آفاق کا مالک ہے اوران کی غرض سچی ہے وہ جس راستے پر بھی چلیں ان کے گرد مخلوق اس طرح گھومتی ہے جیسے حاجی اللہ کے گھر کے پاس جمع ہوتے ہیں۔ (کعبۃ اللہ کا طواف کرتے ہیں)

ان کی خوشنودی کی اچھی ہوا زمانے کو زندہ رکھتی ہے اور کتنے ہی مخالف ان کی ناراضگی کی وجہ سے جہنم میں ہلاک ہوئے ان کی تلوار کے پھل سے آسمانی بجلی کی آگ نے شریعت کے جھنڈے کو سماک ستارے کی طرف اڑایا اور وہ بلند ہو گیا اور اس (بجلی) سے بھٹکنے والے نے سیدھا راستہ پایا جب کہ وہ سرکشی کی تاریکیوں میں گم تھا۔ پس دین تبسم کرتے ہوئے آنکھوں کی ٹھنڈک بن گیا اور حکومت مضبوطی سے پکڑتے ہوئے ان کی طرف آگے بڑھی اور انہوں (خلیفہ) نے بلندی حاصل کی تو یوں ہو گیا کہ لوگ ان کو بادشاہ کہنے لگے اور جب انہوں نے آنکھ کھولی تو وہ بادشاہ ہو چکے تھے اور وہ سلطان غازی اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے دین اور حق کو عزت وغلبہ دینے والے اسلام اور مسلمان کے مددگار ابوالحسین محمد کرت ہیں ان کے انصاف کے انوار سے زمین کے کنارے ہمیشہ چمکتے رہیں اور نیکیوں کی شاخیں ان کی مہربانی کے بادلوں سے پتے گراتی رہیں۔

**فهو الذی سے فجد بحمد الله تک**

یہی وہ بادشاہ ہے جس نے ارادے کی لگام کو اسلام کی حمایت کی طرف پھیرا

اور ہدایت کی دیوار کو مضبوط کیا جب کہ وہ گرنے کے قریب ہو چکی تھی اور تمام جہان والوں پر احسان وانعام کے بادل برسائے اور ان میں سے علماء کرام کو مزید مہربانی اور عزت واکرام کے ساتھ خاص کیا۔

ترجمہ شعر: لوگوں کی گردنوں میں اس کے احسانات قائم ہیں اور یوں لگتا ہے کہ وہ احسانات طوق ہیں اور لوگ کبوتر ہیں۔

پس میں نے پڑھا" تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں (اور اس کا شکر ہے) جو مجھ سے غم کو لے گیا اور میں اپنے پیاروں اور وطن کو بھول جانے کی علامت بن گیا اور اس بادشاہ کی عام مہربانی سے قابل رشک اور نصیب والا ہو گیا اور اس کی نظر عنایت سے میرا لحاظ کیا جانے لگا اور میں محفوظ ہو گیا اس چیز نے میرے بازو مضبوط کئے اور میرے پہلو نے حرکت کی۔

پھر اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے سیدھے راستے کی طرف میری راہنمائی کی اور مجھ پر توفیق کے ڈول انڈیل دیئے حتیٰ کہ میں نے اس (مسودے) کی طرف رجوع کیا جسے میں نے جمع کیا تھا اور میں اس کی تصحیح وترتیب کے لیے مستعد ہو گیا۔ اور میں نے اس کی تراش وخراش اور کانٹ چھانٹ کے لئے پیدل اور سواروں کو اٹھایا اور اس دوران سست فکر نے مجھے جن باتوں کی سخاوت کی میں نے اسے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس کمزور نظر کے لئے ظاہر کیا اسے اس (مسودہ) کے ساتھ ملا دیا۔

**فجاء بحمد الله سے آخر عبارت تک**

پس اللہ تعالیٰ کی حمد وشکر کے ساتھ فوائد کے جواہر کا مدفون خزانہ اور یکتا عمدہ موتیوں سے بھرا ہوا سمندر لا یا پس میں نے اسے بلند دربار کے لئے تحفہ قرار دیا اور بلند

دربار میں پیش کیا وہ دربار جو مخلوق کی مختلف جماعتوں کے لیے ہمیشہ پناہ گاہ رہا ان کو زمانے کے حادثات سے بچانے والا اور مضبوط قلعہ تھا یہ سب کچھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل علیہم السلام کے وسیلہ جلیلہ سے ہے۔

مجھے اپنے دوستوں اور مخلص بھائیوں سے امید ہے کہ وہ مجھے اپنی اچھی دعاؤں میں شامل رکھیں گے اور میں نے اس تالیف کے دوران جو مشقت اٹھائی ہے اس پر میرا شکریہ ادا کریں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہی فریاد کناں ہوں کہ وہ اس (کتاب) سے طلباء کو نفع عطا فرمائے وہ جو حق کے طالب ہیں اور دشمن کے راستے سے منہ پھیرنے والے ہیں ان کی غرض واضح حق کو حاصل کرنا ہے باطل کو یقین کی صورت دینا نہیں۔

مجھے زندگی عطا کرنے والے کی قسم اس زمانے میں ان لوگوں کی طلب بہت کم اور ان کا وجود بہت قلیل ہے کیونکہ طبیعتوں پر جھگڑا اور عناد غالب آ چکا ہے اور بندوں میں باہم لڑائی اور حسد پھیل چکا ہے اگر فوری طور پر (یعنی دنیا میں) لوگوں کی طرف سے میری اچھی تعریف نہ ہوسکی تو مجھے آخرت میں جس عظیم ثواب کی امید ہے وہ میرے لیے کافی ہے اور مجھے اللہ تعالیٰ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے اسی پر میں نے بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

**سوال:** تلخیص المفتاح، مفتاح العلوم، مختصر المعانی، اور مطول ان چاروں کتابوں کے درمیاں باہمی تعلق بتائیں اور ان کے مصنفین کے نام لکھیں؟

**جواب:** تلخیص المفتاح، مفتاح العلوم کی قسم ثالث کی تلخیص ہے مفتاح العلوم کے مصنف سراج الملۃ والدین ابو یوسف سکاکی رحمہ اللہ ہیں اور یہ کتاب نو علوم پر مشتمل ہے۔ (۱) صرف (۲) نحو (۳) اشتقاق (۴) معانی (۵) بیان (۶) بدیع (۷) قوافی (۸) عروض اور (۹) منطق۔

تلخیص المفتاح کے مصنف علامہ عبدالرحمٰن قزوینی رحمہ اللہ ہیں مختصر المعانی اور مطول دونوں تلخیص المفتاح کی شرح ہیں اور ان کے مصنف علامہ مسعود بن عمر سعد الدین تفتازانی رحمہ اللہ ہیں۔

**سوال:** مطول کے مصنف کے سوانح عمری مختصر مگر جامع تحریر کریں؟

**جواب:** سعد الدین مسعود تفتازانی خراسان کے شہر تفتازان میں صفر ۷۲۲ھ/۱۳۲۲ء میں پیدا ہوئے۔ علامہ تفتازانی نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن میں پائی۔ عضد الدین ایجی (۷۵۶ھ) اور قطب الدین رازی (م ۷۶۶ھ) سے بھی استفادہ کیا۔ انہوں نے مروجہ علوم میں مہارت تامہ حاصل کی اور ان کی شہرت جلد ہی دور دور تک پھیل گئی۔ اور طلبہ ان سے استفادہ کے لیے رجوع کرنے لگے۔

علامہ تفتازانی کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مختلف شہروں میں قیام کیا۔ وہ جام، ہرات، سمرقند، سرخس، جبرون، ترکستان اور خوارزم میں مقیم رہے۔ تدریس کے ساتھ ساتھ علامہ تفتازانی نے مظفریہ حکمران فارس شاہ شجاع کے

دربار میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ تیمور نے ۷۸۰ھ یا ۷۸۱ھ میں خوارزم پر حملہ کیا اور شاہ شجاع کی سلطنت متاثر ہوئی۔ اس زمانہ میں ملک محمد سرخسی نے اپنے بھتیجے محمد بن غیاث الدین کو لکھا جو اس وقت تیمور کا درباری تھا کہ تیمور کی اجازت سے علامہ تفتازانی کو سرخس بھیج دیا جائے چنانچہ تفتازانی ملک محمد سرخسی کی دعوت پر سرخس چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد امیر تیمور علامہ تفتازانی کے علم و فضل سے آگاہ ہوا تو انہیں واپس سمرقند بلا بھیجا۔ علامہ نے پہلے تو عذر کیا کہ وہ حجاز جانے کا ارادہ رکھتے ہیں مگر مکرر طلبی پر سمرقند گئے اور تیمور کے دربار میں صدر صدور کی حیثیت حاصل کی۔

علامہ تفتازانی سے سینکڑوں افراد نے اکتساب فیض کیا ہوگا مگر ان کے شاگردوں میں صرف چند نام ملتے ہیں اور ان میں حسام الدین الحسن بن ابی وردی اور برہان الدین حیدر کے نام نمایاں ہیں۔

علامہ تفتازانی کا وصال ۲۲ محرم ۷۹۲ھ/۱۳۹۰ء کو سمرقند میں ہوا۔ میت سرخس منتقل کی گئی اور وہیں تدفین عمل میں لائی گئی۔

**سوال**: مصنف نے اپنے خطبہ میں علم بلاغت کی کچھ اصطلاحات اور کچھ کتابوں کا ذکر کیا ہے بلاغت کی اصطلاح میں اسے کیا کہتے ہیں نیز جن چیزوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے کوئی پانچ نقل کریں؟

**جواب**: کسی کتاب کے خطبہ میں جب اس کتاب کے موضوع کے بارے میں کچھ باتیں ذکر کی جائیں تو علم بدیع کی اصطلاح میں اسے براعت استہلال کہتے ہیں۔

مصنف علیہ الرحمہ نے خطبہ میں ، حقائق المعانی ، دقائق البیان ، بیدائع الایادی ، علی وفق ما اقتضتہ الحال ، من دوحۃ اللسن والفصاحۃ وغیرہ میں علم معانی ،

بیان، بدیع، بلاغت، کلام و متکلم کے الفاظ ذکر کیے ہیں جن سے فصاحت اور بلاغت کی طرف اشارہ ہے اور یہ براعتہ استھلال ہے علاوہ ازیں خطبہ میں دلائل الاعجاز، اسرار البلاغۃ، ایضاح وغیرہ کتب کا ذکر ہے جن کا تعلق علم بلاغت سے ہے۔

**سوال :** تلخیص المفتاح کے مصنف نے اپنی کتاب کو بسم اللہ سے شروع کیا یا الحمد للہ سے وضاحت کریں؟

**جواب:** تلخیص المفتاح کے مصنف علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کو الحمد للہ سے شروع کیا اور بسم اللہ سے برکت حاصل کی جس طرح امام تفتازانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

**افتتح کتابه بعد التيمن بالتسمية بحمد الله سبحانه وتعالى۔**

علامہ عبدالرحمٰن قزوینی نے بسم اللہ سے برکت حاصل کرنے کے بعد اپنی کتاب کو الحمد للہ سے شروع کیا۔

**سوال :** کتاب کی تالیف کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اثر قرار دیا نعمت کیوں نہ قرار دیا وجہ بتائیں؟

**جواب :** اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت وہ توفیق اور صلاحیت ہے، جس کی بنیاد پر کتاب لکھی گئی لہذا وہ توفیق نعمت قرار پائی اور اس کتاب کی تالیف اس کا اثر قرار دیا کیونکہ کتاب کی تالیف مصنف کا عمل ہے اللہ تعالیٰ کا انعام نہیں گویا کتاب انعام خداوندی نہیں بلکہ اس کی تالیف کی توفیق اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔

**سوال :** حمد اور شکر میں سے ہر ایک کی تعریف کریں اور دونوں کے درمیان فرق کی وضاحت کریں نیز ان کے درمیان کونسی نسبت ہے مثالوں سے وضاحت کریں؟

**جواب: حمد کی تعریف:**

**ھو الثناء باللسان علی الجمیل سواء تعلق بالفضائل او بالفواضل۔**

حمد اچھے اختیاری فعل پر زبان سے تعریف کرنا حمد کہلاتا ہے ان کا تعلق متعدی فضائل سے ہو یا غیر متعدی سے۔ (غیر متعدی کی مثال جیسے علم اور قدرت اور متعدی جیسے تخلیق وغیرہ)

**شکر:**

**فعل ینبئ عن تعظیم المنعم بسبب الانعام سواء کان ذکرا باللسان اور محبة بالجنان او عملا وخدمة بالارکان۔**

منعم کے انعام کی وجہ سے اس کی تعظیم کرنا شکر ہے۔ چاہے زبان سے ذکر ہو دل میں اعتقاد و محبت کے ذریعے ہو یا اعضاء کے ذریعے عمل اور خدمت (عبادت) ہو۔

**دونوں میں فرق:**

حمد اور شکر میں فرق یہ ہے کہ:

حمد کا مصدر خاص ہے اور وہ صرف زبان ہے اور اس کا متعلق عام (اسم مفعول) ہے اور وہ نعمت بھی ہے اور غیر نعمت بھی۔ (مصدر، جاری ہونے کی جگہ کو کہتے ہیں)

یعنی حمد صرف زبان سے ہوتی ہے اس کے مقابلے میں نعمت ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں ہوتی ہے۔

اور شکر کا مورد عام ہے اور وہ زبان، دل اور اعضاء ہیں البتہ اس کا متعلق خاص ہے اور وہ نعمت ہے۔

یعنی شکر زبان سے بھی ادا ہوتا ہے دل میں اعتقاد اور اعضاء سے عمل کے ذریعے بھی لیکن شکر نعمت کی بنیاد پر ہوتا ہے نعمت کے بغیر نہیں۔

نسبت!

ان دونوں کے درمیان عموم خصوص من وجہ ہے ایک مقام پر حمد اور شکر دونوں جمع ہوتے ہیں اور دو جگہ جدا جدا ہوتے ہیں مثلاً احسان کے مقابلے میں ثناء زبان سے ہو تو یہاں حمد اور شکر دونوں جمع ہیں جب علم اور شجاعت پر تعریف ہو تو یہاں حمد ہے شکر نہیں کیونکہ شکر احسان کے مقابلے میں ہوتا ہے اور یہاں احسان نہیں اور جب احسان کے مقابلے میں دل سے ثنا ہو تو یہ شکر ہے حمد نہیں کیونکہ حمد زبان سے ہوتی ہے یہاں ثناء دل کے ساتھ ہے اور چونکہ شکر احسان کے مقابلے میں ہوتا ہے اور یہاں احسان ہے۔

**سوال**: اسم جلالت "اللہ" کے حوالے سے مصنف نے کیا بتایا نیز اگر اسم جلالت کی جگہ کوئی صفاتی نام ہوتا جیسے خالق یا رازق تو کیا خرابی لازم آتی؟

**جواب**: اسم جلالت "اللہ" ایسی ذات کا اسم (علم) ہے جو واجب الوجود بھی ہے اور تمام تعریفوں کی مستحق بھی۔

نوٹ: واجب الوجود وہ ذات ہے جس پر کبھی عدم نہیں رہا اور نہ ہی وہ کبھی معدوم ہوگی یعنی ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا اسی کو ازلی ابدی بھی کہتے ہیں۔

چونکہ اسم جلالت "اللہ" اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اس میں صفت کا اعتبار نہیں

اس لیے تمام تعریفوں کا مستحق کوئی اور نہیں ہو سکتا اگر کوئی صفت ذکر ہوتی مثلا "الحمد للخالق" یا "الحمد للرازق" تو اس سے وہم پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک وصف کی وجہ سے حمد کا مستحق ہے دوسرے وصف کی وجہ سے نہیں۔ اس لئے کسی صفت کی بجائے ذاتی نام ذکر کیا گیا۔

**سوال: انما تعرض للانعام بعد الدلالة علی استحقاق الذات تنبیھا علی تحقق استحقاقین** تک اس عبارت کا ترجمہ اور وضاحت کریں؟

**جواب:** ترجمہ: بے شک ذاتی استحقاق پر دلالت کے بعد انعام کا ذکر کرنے میں اس بات پر تنبیہ (آگاہی) ہے کہ اس ذات میں (حمد کے) دو استحقاق پائے جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "**الحمد لله علی ما انعم**" میں پہلے اسم جلالت ذکر کیا اور یوں اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی طور پر حمد ثابت ہوئی اور پھر مصنف نے انعام کا ذکر کیا تو اب بطور وصف بھی وہ مستحق حمد ہوا یوں اللہ تعالیٰ کے لیے ذاتی اور صفاتی دونوں اعتبار سے حمد کا استحقاق ثابت ہوا اور یہ دو استحقاق ہیں۔

**سوال:** اسم جلالت پر حمد کو کیوں مقدم کیا ہے؟ اس کی وجوہ بیان کریں؟

**جواب:** چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وجود میں ہر چیز پر مقدم ہے۔ لہذا اچاہیے تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر پہلے ہوتا لیکن چونکہ یہ مقام حمد ہے اس لیے حمد کو مقدم کیا اور یوں حمد کا زیادہ اہتمام ہو گیا تفسیر کشاف میں اس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ اس تقدیم میں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ (حقیقتا) حمد اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور وہی ذات اس (حمد) کے لائق ہے۔ گویا دو باتیں پیش نظر ہیں مقام کا تقاضا اور اختصاص

**سوال: وبھذا یظھر** سے **لایکون ثمه استغراق** تک عبارت کا ترجمہ

اور وضاحت کریں؟

**جواب:** کشاف کی عبارت سے ظاہر ہوا کہ یہ موقف جو اختیار کیا گیا کہ الحمدِ میں "لام تعریف"، جنس کے لیے ہے استغراق کے لئے نہیں تو اس طرح نہیں جس طرح بہت سے لوگوں نے وہم کیا کہ اس کی بنیاد اس پر ہے کہ ان (معتزلہ) کے نزدیک بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہیں پس تمام تعریفیں اس (اللہ تعالیٰ) کی طرف راجع نہیں ہوں گی بلکہ اس کی بنیاد یہ ہے کہ حمد ان مصادر میں سے ہے جو افعال کے قائم مقام ہوتے ہیں اور اس کی اصل نصب ہے اور اس سے رفع کی طرف عدول دوام وثبات پر دلالت کے لیے ہے۔ اور فعل (اپنی) حقیقت پر دلالت کرتا ہے استغراق پر نہیں تو اسی طرح جو اس کے قائم مقام ہے وہ بھی استغراق پر دلالت نہیں کرتا۔

اس میں نظر ہے (غور وفکر کا مقام ہے) کیونکہ جو فعل کے قائم مقام ہے وہ مصدر نکرہ ہے جیسے "**سلام علیک**"

اور اس وقت اس پر لام کے داخل ہونے اور اس سے استغراق مراد لینے میں کوئی رکاوٹ نہیں پس اولیٰ یہ ہے کہ اس کا جنس کے لیے ہونا اس پر مبنی ہو کہ ذہن میں یہی آتا ہے اور یہ استعمال میں شائع ہے خصوصاً مصادر میں اور جب قرائن مخفی ہوں۔

یا یہ کہ لام، تعریف کے علاوہ فائدہ نہیں دیتا اور اسم صرف اپنے مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے پس اس وقت وہاں استغراق نہیں ہوگا۔

**وضاحت:**

صاحب کشاف نے جب جنس حمد کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کا ذکر کیا

تو اس سے تمام تعریفوں کا اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا بھی ثابت ہو گیا شارع کہتے کہ بعض حضرات نے کہا کہ الحمد پر الف لام کا جنس کے لیے ہونا اس کے استغراق کے لئے ہونے کی نفی ہے۔ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ معتزلہ کے نزدیک بندے اپنے افعال کے خالق ہیں اور وہ افعال اللہ کی مخلوق نہیں لہذا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں ہوں گی بلکہ اچھے افعال پر بندہ خود قابل تعریف ہوگا کیونکہ وہ اپنے فعل کا خالق ہے۔

شارع نے اس کا رد کرتے ہوئے کہا کہ بہت سے لوگوں کا یہ وہم درست نہیں۔

بلکہ صاحب کشاف کے استغراق کی نفی کرنے کی وجہ اور ہے وہ یہ کہ حمد ان مصادر میں سے ہے جو افعال کے قائم ہوتے ہیں (جیسے شکراً، شکرت کی جگہ اسی طرح حمداً، حمدت کی جگہ ہے) لہذا الحمد اصل میں منصوب ہے (حمداً ہے) نصب سے رفع کی طرف عدول کیا اور الحمد للہ (جملہ اسمیہ) میں بدل دیا تا کہ دوام وثبات پر دلالت کرے کیونکہ فعل محض حقیقت پر دلالت کرتا ہے استغراق پر نہیں لہذا جو اس کے قائم مقام یعنی حمداً ہے وہ بھی استغراق پر دلالت نہیں کرتا اور الحمد پر الف لام جملہ اسمیہ کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے اور مبتدا معرفہ ہوتی ہے۔

اس پر "فیہ نظر" کے ذریعے اعتراض کیا گیا کہ فعل کا قائم مقام مصدر نکرہ (حمداً) ہے جس طرح **سلام علیک** (میں سلام مصدر نکرہ ہے) یا اس کا جواب یہ ہے ہوگا کہ الف لام تعریف کے علاوہ فائدہ نہیں دیتا اور اسم اپنے مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے لہذا یہاں استغراق نہیں۔

نوٹ: اس کا مطلب یہ ہے کہ الف لام سے صرف حمد کا مسمیٰ بطور معرفہ

ثابت ہورہا ہے استغراق ثابت نہیں ہوتا۔

**سوال** : علیٰ ماانعم میں مصنف نے ما کو مصدریہ قرار دیا موصولہ قرار نہ دینے کی وجہ بیان کریں؟

**جواب** : مصنف علیہ الرحمہ نے بتایا کہ اگر "ما" کو موصولہ قرار دیا جائے تو لفظاً اور معنیً دونوں طرح فساد لازم آتا ہے۔

لفظی فساد: لفظی فساد اس طرح کہ ماموصولہ تقدیر عبارت کا محتاج ہوگا یعنی "**انعم به**" (کیونکہ صلہ میں ضمیر کا ہونا ضروری ہے جو موصول کی طرف لوٹتی ہو اور وہ **به** میں ضمیر مجرور ہے)

جب کہ اس پر معطوف کلام یعنی "**علم من البیان مالم نعلم**" میں یہ مقدر عبادت متعذر ہے کیونکہ علّم کا مفعول "**مالم نعلم**" لفظوں میں موجود ہے۔

معنوی فساد یہ ہے کہ انعام جو منعم کی صفت ہے اس پر حمد کرنا نفس نعمت پر حمد سے اولیٰ ہے۔

یعنی اگر ما مصدریہ ہو تو "ماانعم" انعام کے معنیٰ میں ہوگا اور حمد انعام یعنی نعمت دینے پر ہوگی، اور اگر ما موصولہ ہو تو اس چیز پر حمد ہوگی جو بطور انعام دی گئی۔ کیونکہ انعام بالذات حمد کا تقاضا کرتا ہے اور نعمت پر حمد انعام کے واسطہ سے ہوگی اور جو بلا واسطہ ہے اس پر حمد زیادہ مناسب ہے۔

نوٹ: بعض حضرات نے کہا کہ معطوف میں بھی ضمیر مقدر ہوگی یعنی "علمہ" اور **مالم نعلم** اس سے بدل ہوگا۔ یا **مالم نعلم** کو مبتدا محذوف کی خبر بنائیں

گے یا مالم نعلم کو امنی مقدر کا مفعول بنائیں گے تو اس طرح معطوف میں بھی ضمیر مقدر نکالی جاسکتی ہے اب دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوگا مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں یہ طریقہ درست نہیں کیونکہ اس طرح زیادہ مناسب راستے کو چھوڑنا ہے۔

**سوال:** مصنف نے منعم بہ کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

**جواب:** مصنف علیہ الرحمہ نے اس کے تین جوابات دیئے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے انعامات بے شمار ہیں ان کا احاطہ نہیں ہوسکتا۔

(۲) اگر بعض کا ذکر کیا جاتا ہے تو بعض کو خاص کرنا اور بعض کو نظر انداز کرنا لازم آتا اور یہ ترجیح بلا مرجح ہے۔

(۳) اسے سامع پر چھوڑ دیا تا کہ ہر سامع کے لیے جو ممکن ہو وہ اختیار کرے۔

**سوال:** ایک انعام جسے علم کہا جاتا ہے اس کا ذکر کیا گیا ہے اس پر ایک تفصیلی تمہید مطول کے مصنف نے بیان کی ہے اس کی وضاحت کریں؟

**جواب:** نوع انسانی کی بقاء کے لیے جن بنیادی چیزوں کی ضرورت ہے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تعلیم البیان کا ذکر کیا اور فرمایا: "**وعلم من البیان مالم نعلم**"

اس کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ انسان مدنی الطبع یعنی مل جل کر رہنے کا عادی ہے یعنی معاشرتی زندگی گزارتا ہے اس طرح لوگ کھانے پینے، لباس نکاح وغیرا امور میں باہم شرکت کرتے اور ایک دوسرے کا تعاون کرتے ہیں۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرسکے کیونکہ اشارہ صرف محسوس اشیاء کی طرف ہوگا معدوم ومعقول کی طرف نہیں اور لکھنے میں مشقت ہے لہذا

انسان کو فصیح گفتگو یعنی بیان کی تعلیم دی تاکہ ایک دوسرے کو اپنا مقصد اور ضرورت بتاسکیں۔

**سوال:** صاحب مطول نے علم بیان کے ذکر کے بارے میں دو وجہ بیان کی ہیں ان وجوہ کی وضاحت کریں؟

**جواب:** پہلی وجہ یہ کہ اس میں براعت استہلال ہے کیونکہ یہ کتاب علم بیان کے بارے میں ہے تو مقدمہ میں اس کا ذکر کیا اور اسے براعت استہلال کہتے ہیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اس بات پر تنبیہ کی گئی کہ نعمت بیان بہت بڑی نعمت ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے " **خلق الانسان علمه البيان** " انسان کو پیدا کر کے اسے بیان سکھایا۔

**سوال:** فصل الخطاب سے کیا مراد ہے؟ اگر مصدر سے فاعل مراد لیں تو کیا مراد ہے اور اگر مفعول مراد لیں تو کیا مراد ہوگی اس کی وضاحت کریں؟

**جواب:** فصل الخطاب میں معجزہ کی طرف اشارہ ہے کیونکہ فصل، ممتاز کرنے کو کہتے ہیں اور واضح کلام کو بھی فصل کہا جاتا ہے۔

فصل مصدر ہے اگر اسم فاعل کے معنیٰ میں ہو تو خطاب فاصل مراد ہوگا یعنی وہ خطاب جس سے حق و باطل اور درست اور غلط میں امتیاز ہوتا ہے۔

اگر اسم مفعول کے معنیٰ میں ہو تو واضح کلام مراد ہوگا یعنی ایسا کلام جو ٹھہر ٹھہر کر بولا جائے اور مخاطب کو اس کا علم ہو جائے اور وہ اس پر مشتبہ نہ ہو۔

**سوال:** لفظ "آل" اصل میں کیا ہے دلیل کے ساتھ بتائیں نیز آل کسے کہتے ہیں؟

**جواب:** لفظ آل اصل میں اھل تھا اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کا اسم تصغیر اُھیل (ھاء

کے ساتھ ہے) اور اس کا استعمال معززلوگوں کے لیے ہوتا ہے۔

**سوال**: "لما بعد" کی اصل کیا ہے؟

**جواب**: اما بعد کی اصل ہے "**مهما يكن من شيء بعد الحمد والثناء**" کلمہ "اما" اسم کی جگہ واقع ہوا اور یہ مبتدا ہے اور فعل کی جگہ بھی اور وہ شرط ہے اور بیان دونوں کے معنی پر مشتمل ہے شرط کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے اس کو فاء لازم ہے جو عام طور پر شرط کو لازم ہوتی ہے اور ابتداء کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے اس سے اسم (بعد) ملا ہوا جو مبتدا کو لازم ہوتا ہے۔

تا کہ جس قدر ممکن ہوان دونوں (شرط اور مبتدا) کا حق پورا کیا جائے اور اس حق کو باقی رکھا جائے۔

**سوال**: لفظ **لما** کو لفظ **لو** کی طرح قرار دیا اس کی وجہ کیا ہے اور دونوں کے استعمال میں فرق کیا ہے وضاحت کے ساتھ بیان کریں؟

**جواب**: لفظ لما ظرف ہے اور اذ کے معنی میں ہے اور شرط کی طرح استعمال ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ماضی کا صیغہ لفظا یا معنی ملا ہوتا ہے لفظی کی مثال "**لما ضرب**" اور معنوی کی مثال "**لما لم يضرب**" سیبویہ نے کہا کہ لما یہ بتاتا ہے کہ یہ کام واقع ہوا کیونکہ فلاں کام واقع ہوا لہذا یہ "لو" کی مثل ہے۔

اس سے بعض لوگوں کو وہم ہوا کہ یہ کلمہ "لو" کی طرح شرط کے لئے ہے لیکن دونوں کے استعمال میں فرق ہے وہ اس طرح کہ کلمہ "لو" دوسری بات کی نفی کے لئے آتا ہے بسبب پہلے کام کی نفی کے جیسے

"**لو كان فيهما الهة الا الله لفسدتا**"

یعنی چونکہ زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے ان میں فساد بیان نہیں ہوا۔

یعنی فساد کی نفی اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کی نفی ہے اور کلمہ لَمّا دوسرے کام کو ثابت کرتا ہے بسبب پہلے کام کے ثبوت کے۔ (تو بعض لوگوں کا وہم صحیح نہیں)

**سوال:** علم بلاغت پڑھنے کا فائدہ و غرض کیا ہے؟

**جواب:** علم بلاغت کے ذریعے اس بات کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ قرآن مجید معجز ہے اور یہ معرفت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق تک پہنچاتی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق تمام سعادتوں کے ساتھ کامیابی کا وسیلہ ہے۔

**سوال:** علم بلاغت میں کتنے اور کون کونسے علوم شامل ہیں نیز علم بدیع کو توابع میں سے کیوں قرار دیا گیا؟ یہ بھی بتائیں علم بلاغت کو اجل العلوم میں سے قرار دینے کی وجہ کیا ہے؟ اور کیا یہ علم بلاغت علم تفسیر و حدیث سے بھی اجل ہے اگر نہیں تو مصنف کی مراد کیا ہے؟

**جواب:** علم بلاغت میں بنیادی طور پر دو علم شامل ہیں۔ (۱) علم معانی (۲) علم بیان چونکہ علم بلاغت کے بنیادی مقاصد یعنی کلام کو خطاء سے بچانے اور فصیح کو غیر فصیح سے ممتاز کرنے کا تعلق ان دو علوم سے ہے اور علم بدیع صرف تحسین کے لیے ہے اس لئے وہ تابع ہے۔ علم بلاغت کو "اجل العلوم" قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اس علم کے ذریعے عربیت کی دقیق باتوں اور اسرار کی پہچان حاصل ہوتی ہے اور نظم قرآن میں وجوہ اعجاز سے پردے اٹھائے جاتے ہیں لہذا یہ اجل علوم میں سے ایک علم ہے

مطلب یہ کہ اجل علوم کئی ہیں علم تفسیر اور علم حدیث بھی اجل علوم ہیں اور ان علوم میں باہمی تفاوت ہے اس بنیاد پر علم تفسیر و حدیث اجل علوم میں سے اعلیٰ درجہ کے علوم ہیں لہذا علم بلاغت ان سے اجل نہیں۔

**سوال : لا حاجة الی تخصیص العلوم با لعربیة لا نه الی اخـــر ہ** اس عبارت کا ترجمہ کریں اور اگر یہ کسی اعتراض کا جواب ہے تو اعتراض و جواب دونوں کی وضاحت کریں؟

**جواب :** ترجمہ: علوم کو عربیت کے ساتھ خاص کرنے (یعنی عربیت کی قید لگانے) کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ مصنف نے اسے تمام علوم سے اجل نہیں قرار دیا بلکہ اس کے علاوہ علوم کے ایک گروہ کو اجل قرار دے کر اسے ان میں شامل کیا۔

یہ ایک سوال کا جواب ہے سوال یہ تھا کہ علم بلاغت تمام علوم مثلاً علم کلام، علم فقہ، تفسیر اور حدیث سے اجل نہیں ہے لہذا یہاں یہ قید لگانا ضروری تھا کہ علوم عربیہ میں سے اجل ہے مطلق علوم میں سے نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس قید کی حاجت نہیں کیونکہ مصنف نے اسے تمام علوم میں سے اجل قرار نہیں دیا بلکہ کچھ علوم کو اجل قرار دے کر ان میں اس (علم بلاغت) کو بھی شامل ہے۔

**سوال: فلماکان علم البلا غة وتوابعها من اجل العلوم قد را وادقها سرا اذ به یعرف دقائق العربیة واسرا رها۔**

(ا) مذکورہ بالا عبارت کا ترجمہ اور مطول کی روشنی میں اس کی تشریح کریں؟

(ب) علم بلاغت کی تعریف تحریر کریں؟

**جواب:** جب علم بلاغت اوراس کے توابع قدر کے اعتبار سے بڑے بڑے علوم میں سے ہیں اور اپنی پوشیدگی کے اعتبار سے ان میں سے دقیق ترین ہیں کیونکہ اس کے ذریعے عربیت کی باریک باتوں اوراس کے اسرار کی پہچان حاصل ہوتی ہے۔

اس عبارت کے ذریعے یہ بات بتائی جارہی ہے کہ تلخیص المفتاح کی تالیف کیوں ہوئی تو اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ چونکہ علم بلاغت کے ذریعے عربیت کی باریک باتیں اوراسرار کی پہچان ہوتی ہے اوراعجاز قرآن کی وضاحت ہوتی ہے اورابو یوسف سکاکی کی کتاب مفتاح العلوم کی قسم ثالث نہایت نفع بخش ہے کیونکہ اس کی ترتیب احسن اورتحریراتم ہے اوراس میں قواعداوراصول زیادہ ہیں لیکن کچھ باتیں زائدتھیں اورطوالت کی وجہ سے اختصار کی ضرورت بھی تھی علاوہ ازیں وضاحت بھی مطلوب تھی تو یہ کتاب یعنی تلخیص کی تالیف کی گئی۔

(ب) علم بلاغت وہ علم ہے جس کے ذریعے اس بات کا علم حاصل ہوتا ہے کہ کلام مقتضائے حال کے مطابق ہے یا نہیں۔نیز معنیٰ مرادی کی ادائیگی میں خطا سے حفاظت ہوتی ہے۔

**سوال:** مفتاح العلوم میں نفس ذوق کومدرک اعجاز قرار دیا گیا جبکہ یہاں بـــه يكشف عن وجوه الاعجاز فی نظم القرآن استارها فرما کرعلم بلاغت کو مدرک اعجاز قرار دیا گیا ہے دونوں موافقت کیسے ہوگی وضاحت کریں؟

**جواب:** اس کا جواب یوں دیا گیا کہ اعجاز کا ادراک تو ہوتا ہے لیکن اس کا بیان کرنا ممکن نہیں جس طرح ملاحت کا ادراک ہوتا ہے لیکن اسے بیان نہیں کیا جاسکتا خود صاحب مفتاح نے کہا کہ اعجاز کی شان عجیب ہے کہ اس کا ادراک ہوتا ہے لیکن اس کا

بیان ممکن نہیں یہاں جو کچھ بیان ہوا کہ علم بلاغت کے ذریعے وجوہ اعجاز سے پردے ہٹائے جاتے ہیں وہ اس بات پر دلالت نہیں کہ اس کا وصف (بیان) ممکن ہے بلکہ یہ اس بات پر دلالت ہے کہ اس علم کے ذریعے اعجاز کا ادراک ہوتا ہے اگرچہ وہ اس ذوق کے ذریعے ہو جو اس علم سے حاصل ہوتا ہے لیکن دیگر علوم سے اعجاز کا ادراک نہیں ہوتا۔

گویا یہاں تضاد نہیں بلکہ علم بلاغت اور ذوق دونوں مدرک اعجاز ہیں البتہ وجہ اعجاز کا بیان اور حقیقتاً اس کا ادراک صرف اللہ تعالیٰ کو ہے بندوں کے لئے اس کا احاطہ ممکن نہیں۔

**سوال:** وجوہ اعجاز کی تشبیہ کے سلسلہ میں امام تفتازانی نے کچھ استعاروں کا ذکر کیا ہے اور دو صورتیں ذکر کی ہیں ان کی وضاحت کریں؟

**جواب:** امام تفتازانی فرماتے ہیں:

وجوہ اعجاز کو ان اشیاء سے تشبیہ دینا جو پردوں کے نیچے ہیں استعارہ بالکنایہ ہے اور ان کے لیے پردے ثابت کرنا استعارہ تخییلیہ ہے اور وجوہ کا ذکر ایہام ہے۔

یا اعجاز کو اچھی صورتوں کے ساتھ تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے اور وجود کا اثبات استعارہ تخییلیہ ہے اور ہر دو کا ذکر استعارہ ترشیحیہ ہے۔

**سوال:** مقدمہ کی صرفی، لغوی اور اصطلاحی تعریف سپرد قلم کریں؟

**جواب:** لفظ مقدمہ دال کے کسرہ کے ساتھ باب تفعیل سے اسم فاعل ہے یعنی آگے کرنے والا اور دال کے فتح کے ساتھ اسم مفعول ہے جس کا معنیٰ آگے کیا ہوا ہے اور یہ مقدمۃ الجیش سے ماخوذ ہے اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو لشکر سے آگے ہو اور قدّم

بمعنی تقدم سے ہے آگے ہونا۔

اصطلاحا مقدمہ کی دوصورتیں ہیں:

(۱)مقدمۃ العلم (۲)مقدمۃ الکتاب

مقدمۃ العلم: جس پر اس علم کے مسائل موقوف ہوں جیسے اس علم کی تعریف غرض و غایت اور موضوع۔

مقدمۃ الکتاب: کتاب کا وہ حصہ جو مقصود سے پہلے ہوتا ہے کیونکہ مقصود کا اس کی ساتھ ربط ہوتا ہے اور اس سے نفع حاصل ہوتا ہے چاہے اس پر موقوف ہو یا نہ ہو۔

**سوال: ولکونہ اکثرھا للاصول والقواعد وھو متعلق بمحذوف یفسرہ قولہ جمعا۔**

مذکورہ بالا عبارت کا ترجمہ کریں اور بتائیں کہ مصدر کا معمول مصدر پر مقدم ہو سکتا ہے یا نہیں ہر صورت میں مطول کی روشنی میں اس پر دلیل بیان کریں؟

**جواب:** اور مفتاح العلوم کی قسم ثالث میں اصول وقواعد کے کثرت کے ساتھ جمع ہونے کی وجہ سے اور یہ محذوف عبارت سے متعلق ہے جس کی تفسیر ان کا قول لفظ جمعا کرتا ہے۔

یہاں سوال یہ تھا کہ جب لفظ جمعا عبارت میں موجود ہے تو محذوف نکالنے کی کیا ضرورت ہے اس کا جواب دیا کہ جمعا مصدر ہے اور مصدر کا معمول اس پر مقدم نہیں ہوتا کیونکہ عمل کے وقت مصدر "ان مع الفعل" کی تاویل میں ہوتا ہے اور وہ موصول ہے اور صلہ کا معمول موصول پر مقدم نہیں ہوتا کیونکہ اس طرح کسی چیز پر اس کی جزء کا مقدم ہونا لازم آتا ہے جس کے اجزاء میں ترتیب ہو۔

یعنی بعد والے مصدر پر اکتفاء کیا جاتا تو اس کے معمول کا مقدم ہونا لازم آتا ہے لیکن مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ جب معمول ظرف یا اس کے مشابہ ہو تو وہ مصدر سے مقدم ہو سکتا ہے جیسے **فلما بلغ معہ السعی** یہاں سعی مصدر ہے اور اس کا معمول معہ مقدم ہے۔

# فصاحت و بلاغت

**سوال:** فصاحت اور بلاغت کا لغوی معنیٰ بیان کریں اور بتائیں کہ یہ کس کس کی صفت بن سکتی ہے؟ اور کیا موصوف کے اعتبار سے فصاحت و بلاغت میں مساوت ہے یا نہیں بر تقدیر ثانی کیوں؟

**جواب:** فصاحت کا لغوی معنیٰ بیان اور ظہور ہے کہا جاتا ہے " **فصح الاعجمی وافصح** " یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس کی زبان میں لکنت نہ ہو اور وہ واضح درست کلام کرے۔

فصاحت سے مفرد (کلمہ)، کلام اور متکلم تینوں موصوف ہوتے ہیں کہا جاتا ہے کلمۃ فصیحۃ، کلام فصیح (نثر میں) قصیدۃ فصیحۃ (نظم میں) اور **کاتبٌ فصیحٌ** اور **شاعرٌ فصیحٌ**۔

بلاغت کا لغوی معنیٰ کسی چیز تک پہنچنا ہے اور یہ کلام اور متکلم کی صفت بنتی ہے کلمہ کی نہیں کہا جاتا ہے **کلام بلیغ ، رجل بلیغ** ۔لہذا موصوف کے اعتبار سے

فصاحت و بلاغت میں مساوات نہیں کیونکہ بلاغت سے کلمہ موصوف نہیں ہوتا جب کہ فصاحت سے موصوف ہوتا ہے۔

**سوال:** لفظ تنبئی کے ذریعے فصاحت و بلاغت کے لغوی معنیٰ بیان کرنے کی وجہ تحریر کریں؟

**جواب:** اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ فصاحت ظہور پر دلالت کرتی ہے لفظ تنبئی نہ ہوتا تو معنیٰ یہ ہوتا کہ فصاحت کا معنیٰ ظہور ہے اسی لئے کہا کہ فصاحت ابانت اور ظہور کی خبر دیتی ہے خود ظہور نہیں۔

**سوال:** مصنف نے فصاحت کے بیان کو بلاغت کے بیان پر مقدم کیوں کیا اور ان کے درمیان نسبت کونسی ہے؟ نیز کلمہ بلیغ کیوں نہیں ہوتا تفصیلا وجہ بیان کریں؟

**جواب:** فصاحت، بلاغت میں شامل ہوتی ہے کیونکہ بلاغت کی تعریف یوں کی جاتی ہے کہ کلام مقتضیٰ حال کے مطابق ہوا اور وہ کلام فصیح بھی ہو۔

لہذا فصاحت جزء ہے اور بلاغت کل اور جزء کل سے مقدم ہوتی ہے اور ان کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے کیونکہ ہر بلیغ فصیح ہے اور ہر فصیح بلیغ نہیں اور کلمہ اس لئے بلیغ نہیں ہوتا ہے کہ بلاغت کا تعلق اقتضائے حال سے ہے اور اقتضائے حال کی مطابقت کلام میں ہوتی ہے کلمہ میں نہیں اس لیے کلمہ بلیغ نہیں ہوتا۔

**سوال:** فصاحت و بلاغت میں فرق بیان کریں اور بتائیں کہ فصاحت فی المفرد کی تعریف میں لفظ خلوصہ پر کیا اعتراض وارد ہوتا ہے اور صاحب مطول نے اس کا کیا جواب دیا ہے؟

**جواب:** فصاحت میں کلمہ اور کلام کا بعض خرابیوں سے پاک ہونا ضروری ہے مثلا

تنافر حروف، غرابت، مخالفت قیاس لغوی (کلمہ میں) اور ضعف تالیف تنافر کلمات اور تعقید سے خالی ہونا (کلام میں) فصاحت ہے اور جب فصیح کلام مقتضی الحال کے مطابق ہو تو وہ بلاغت ہے۔

یعنی فصاحت بلاغت کی جزء ہے اور ہر بلیغ فصیح ہے اور ہر فصیح بلیغ نہیں۔

لفظ خلوصہ پر اعتراض یہ ہے کہ ظرف یعنی "فی المفرد" کو صفت بنایا گیا یعنی وہ فصاحت جس کی صفت یہ ہے کہ وہ مفرد میں ہے اس کا فصاحت سے خالی ہونا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ظرف مبتداء سے حال ہے یعنی فصاحت اس حال میں کہ وہ مفرد میں ہے اور مبتدا سے حال بنانا بعض نحویوں نے جائز قرار دیا ہے۔

**سوال**: لفظ "قط" کے بارے میں مصنف کی تقریر واضح کریں؟

**جواب**: لفظ قط اسمائے افعال میں سے ہے جس کا معنیٰ "انتہ" (رک جا) ہے اکثر اوقات اس کے شروع میں فاء لائی جاتی ہے جس سے لفظ مزین ہو جاتا ہے گویا یہ شرط محذوف کی جزاء ہے یعنی اذا وصفت بها الا خيرين فقط۔ جب تم بلاغت کے ساتھ آخری دو کو موصوف کرو تو رک جاؤ۔ (کلمہ کو موصوف نہ کرو)

**سوال: فالفصاحة فی المفرد خلوصه من تنافر الحروف والغرابة والقياس۔**

مندرجہ بالا عبارت کی تشریح اس طرح کریں کہ فصاحت فی المفرد کی تعریف واضح ہو جائے؟ نیز فی المفرد ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے؟

**جواب**: کلمہ فصیحہ کا تین باتوں سے خالی ہونا ضروری ہے۔ (۱) تنافر حروف۔ (۲) غرابت۔ (۳) مخالفت قیاس لغوی۔ یعنی جب کسی کلمہ میں یہ تینوں باتیں نہ پائی

جائیں تو وہ کلمہ فصیحہ ہے۔

"فی المفرد" الکائنۃ سے متعلق ہو کر الفصاحۃ سے حال ہے۔

**سوال**: تنافر کسے کہتے ہیں اور اس کے انتہائی اور ادنیٰ درجہ کی مثالیں بیان کریں؟

**جواب**: تنافر کلمہ کا ایسا وصف ہے جس کی وجہ سے کلمہ زبان پر ثقیل ہو جاتا ہے اور اس کے ساتھ بولنا مشکل ہو جاتا ہے۔

تنافر کی دو صورتیں ہیں۔(ا) جو انتہائی درجہ کا ثقل پیدا کرتا ہے۔ جیسے الھعخع (سیاہ رنگ کا گھاس) اعرابی نے اپنی اونٹنی کے بارے میں کہا" تـر کتھا ترعی الھعخع "میں نے اسے چھوڑا وہ سیاہ گھاس چر رہی ہے۔

دوسری صورت میں اس سے کم ثقل ہوتا ہے جیسے امرأ القیس کے قول میں مستشزرات ہے (اس کا معنیٰ اوپر کو چڑھنے والی)۔ شعر یوں ہے۔

غدائره مستشزرات الی العلی

تضل العقاص فی مثنی ومرسل

اس کی مینڈھیاں بلندی کی طرف چڑھنے والی ہیں۔ بالوں کا جوڑا بٹے ہوئے اور کھلے بالوں میں گم ہو جاتا ہے۔

مستشزرات کو زاء کے کسرہ کے ساتھ اسم فاعل پڑھیں تو اس کا معنیٰ اوپر کی طرف بلند ہونے والی اور زاء کے فتح کے ساتھ اسم مفعول پڑھیں تو معنیٰ ہوگا بلند کی گئی پہلی صورت میں مرتفعات اور دوسری صورت میں مرفوعات ہے۔

**سوال**: مستشزرات میں ثقل کی وجہ کیا ہے نیز تنافر کے حوالے سے جو تفصیل ذکر کی گئی ہے اس کا خلاصہ بیان کریں؟

**جواب:** بعض حضرات نے کہا ہے کہ مستشزرات میں ثقل کی وجہ یہ ہے کہ شین معجمہ جو مہموسہ رخوہ سے ہے تاء مہموسہ شدیدہ اور زاء معجمہ مجہورہ کے درمیان واقع ہے۔ اگر مستشرف کہا جاتا تو یہ ثقل زائل ہو جاتا ہے۔ شارح نے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا یہ سھو ہے کیونکہ مستشرف میں بھی راء مہملہ مجہورہ میں سے ہے لہذا اس وجہ سے مستشرف بھی متنافر ہونا چاہیے۔

لہذا یہ ثقل ان مخصوص الفاظ کے مجموعہ سے پیدا ہوا ہے

ابن اثیر نے کہا کہ ثقل کی وجہ مخارج کا بُعد نہیں کہ ایک مخرج سے دوسرے مخرج کی طرف منتقل ہونے سے ثقل پیدا ہو۔

جیسے "ظفرہ" یہاں ظاء اور فاء کا مخرج ایک دوسرے سے بعید ہونے کے باوجود ثقل نہیں اور قرب مخرج بھی ثقل (تنافر) کا سبب نہیں۔ جیسے قرآن مجید میں **الــم اعهد** آیا یہ قریب المخرج کی مثال ہے۔ عین اور ہاء قریب المخرج ہیں۔

بلکہ اس کا تعلق ذوق سے ہے جس کو ذوق صحیح ثقیل سمجھے وہ متنافر ہے چاہے مخارج میں قرب ہو یا بعد۔ شارح فرماتے ہیں مخارج بعیدہ میں ملع متنافر ہے اور علم غیر متنافر ہے اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ حلق سے ہونٹوں کی طرف اخراج آسان ہے جیسے علم اور ہونٹوں سے حلق کی طرف ادخال مشکل ہے۔ جیسے ملع۔ کیونکہ غلب اور حلم میں حلق سے ہونٹوں کی طرف اور بلغ اور ملح میں ہونٹوں کی طرف سے حلق کی طرف ہے اور یہ سب غیر متنافر ہیں لہذا معلوم ہوا کہ یہ امر ذوقی ہے ذوق صحیح جسے ثقیل خیال کرے اور اس کے ساتھ بولنا مشکل ہو وہ متنافر ہے مخارج کے قرب و بعد کا اعتبار نہیں۔

**سوال:** وقد سبق الی بعض الاوهام ان اجتماع الحروف

**المتقاربة المخرج** کی وضاحت کریں اور وارد ہونے والے اعتراض اور اس کے جواب کی تشریح کریں؟

**جواب:** بعض لوگوں کا وہم اس طرف گیا ہے کہ متقاربۃ المخرج حروف کا اجتماع اس ثقل کا سبب ہے جو فصاحت کلمہ میں مخل ہے اور جو کلام غیر فصیح کلمہ پر مشتمل ہو وہ فصاحت سے نہیں نکلتا جس طرح وہ کلام عربیت سے نہیں نکلتا جو غیر عربی کلمہ پر مشتمل ہو۔

مطلب یہ کہ بعض حضرات نے یہ وہم کیا کہ مخارج کا قرب ثقل اور تنافر کا باعث ہے اور یہ اعتراض کہ اس طرح قرآن مجید غیر فصیح کلمہ پر مشتمل ہوگا کیونکہ **الم اعہد** میں عین اور ہاء قریب المخرج ہیں کے جواب میں۔

انہوں نے کہا کہ اگر عربی کلام میں کوئی کلمہ غیر عربی ہو تو وہ کلام عربی ہی رہتا ہے اور اگر کوئی کلمہ غیر فصیح ہو تو کلام فصیح ہی رہتا ہے لہذا ''اعہد'' کے غیر فصیح ہونے کے باوجود قرآن مجید فصیح کلام پر مشتمل ہے انہوں نے یہ بھی کہا جزء کے انتفاء سے کل کا انتفاء لازم نہیں آتا لہذا کسی ایک کلمہ کے غیر فصیح ہونے سے تمام کلام غیر فصیح نہیں ہوتا۔ شارح فرماتے ہیں ان حضرات کا وہم بہت غلط ہے نیز کلمات کی فصاحت، کلام کی فصاحت میں ماخوذ ہے لہذا جس کلام میں کوئی کلمہ غیر فصیح ہو وہ کلامِ فصاحت سے کیسے نہیں نکلے گا۔

اور اسے غیر عربی کلمہ کے عربی میں داخل ہونے کے باوجود کلام عربی رہنے پر قیاس کرنا فاسد ہے کیونکہ یہ بات تسلیم شدہ نہیں ہے۔ (لہذا اس پر قیاس نہیں کیا جا سکتا) علاوہ ازیں کلام عربی میں ہر کلمہ کا عربی ہونا شرط نہیں جس طرح فصاحت کلام میں شرط یہ ہے کہ اس کا ہر کلمہ فصیح ہو لہذا دونوں میں فرق ہے۔

**سوال:** وفاحما ومرسنا مسرجا۔

خط کشیدہ الفاظ کی تشریح کریں اور بتائیں کہ ان میں سے کون سا کلمہ فصیح نہیں ہے اور کیوں نہیں ہے؟

**جواب:** فاحما، فحم سے بنا ہے فحم کوئلے کو کہتے ہیں اور یہاں فاحم سیاہ بالوں کو کہا گیا ہے اور مرسنا (میم مفتوح اور سین مکسور) اونٹ کی ناک کو کہا جاتا تھا اب مطلقا ناک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

مسرج، اس تلوار کو کہتے ہیں جو سریج نامی کاریگر بناتا تھا یعنی اس کی ناک مسرج تلوار کی طرح باریک اور برابر ہے یا سراج (چراغ) کی طرح چمکدار ہے۔

ان میں سے مسرج غیر فصیح ہے کیونکہ اس میں غرابت ہے یعنی کلمہ کی اپنے معنی پر دلالت ظاہر نہیں۔

**سوال:** غرابت کسے کہتے ہیں مثال کے ساتھ ذکر کریں؟ اور مخالفت قیاس لغوی کی تشریح کریں؟

**جواب:** غرابت کا معنی یہ ہے کہ کلمہ وحشی ہو معنی پر اس کی دلالت ظاہر نہ ہو اور اس کا استعمال مانوس نہ ہو۔ ان میں سے بعض کی پہچان کے لیے لغت کی مبسوط کتب کو کھنگالنے اور چھان بین کی حاجت ہوتی ہے جیسے تکاکاتم (تم جمع ہوئے) اور افرنقعوا (الگ ہو جاؤ) اور بعض کے لیے وجہ بعید نکالنا پڑتی ہے۔

جیسے لفظ "مسرج" کیونکہ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اس کی ناک مسرج ہے یعنی پتلی اور برابر اور برابری میں سریجی تلوار کی طرح ہے۔

نوٹ: سریج ایک لوہار کا نام ہے جو تلواریں بناتا تھا

یا یہ کہ وہ چمک میں سراج یعنی چراغ کی طرح ہے۔

**سوال**: لا یقال الغرابة کما یفهم الی اخره . اعتراض وجواب کی وضاحت کریں؟

**جواب**: یہ عبارت ایک اعتراض اور اس کے جواب پر مشتمل ہے اعتراض یہ ہے کہ بلغاء کی کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ غرابت یہ ہے کہ کلمہ کا استعمال مشہور نہ ہو اور یہ عرف کے مقابلہ میں ہے یعنی جو عرف میں بولا نہ جاتا ہو جبکہ عرف مختلف ہیں اور وحشی وہ ہے جس سے طبیعت کو نفرت ہو لہذا غرابت کی تفسیر وحشی کے ساتھ کرنا صحیح نہیں۔ بلکہ وحشیت فصاحت مفرد کے لئے ایک زائد قید ہے اور اگر وحشیت سے کوئی اور معنیٰ مراد ہے تو ہم تسلیم نہیں کرتے کہ اس معنیٰ میں غرابت فصاحت میں مخل ہوگی۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ وحشیت کا جو معنیٰ ذکر کیا گیا یعنی جس سے طبیعت نفرت کرے اس کے علاوہ بھی اصطلاح ہے جو کتب میں مذکور ہے یعنی وحشی، وحش کی طرف منسوب ہے یعنی وحشی وہ ہے جو ایسی جگہ رہتا ہے جہاں پانی اور چارہ وغیرہ نہیں ہوتا پھر بطور استعارہ اسے ایسے الفاظ میں استعمال کرتے ہیں جن کا استعمال مانوس نہیں یعنی جو الفاظ عرف میں استعمال نہیں ہوتے لہذا اب کوئی تضاد نہیں۔

**سوال**: کلمہ وحشی کسے کہتے ہیں اور اس کی کون کونسی اقسام ہیں وضاحت کریں؟

**جواب**: وحشی وہ کلمہ ہے جس کا استعمال عام نہ ہو اور اس کو غریب کہا جاتا ہے۔ غریب کی دو قسمیں ہیں۔(۱) غریب حسن (۲) غریب قبیح

غریب حسن وہ ہے کہ عربوں کے ہاں اس کے استعمال کو قبیح خیال نہیں کیا جاتا کیونکہ وہ ان کے ہاں وحشی نہیں جیسے **شرنبث** (موٹے ہاتھوں اور موٹے

پاؤں والا) اور اِسْمَخَرَّ (بلند ہوا) اِقْمَطَرَّ (سخت ہوا) اور یہ نثر کے مقابلے میں نظم میں زیادہ اچھا ہے اسی سے غریب القرآن اور غریب الحدیث ہے۔

غریب قبیح: وہ غریب ہے جس کا استعمال مطلقاً قبیح ہے اس کو وحشی غلیظ کہا جاتا ہے یعنی یہ غریب الاستعمال ہونے کے ساتھ ساتھ سماعت پر ثقیل اور ذوق کے لیے ناپسندیدہ ہوتا ہے اس کو متوعر بھی کہتے ہیں (بہت نیچے چلا جانا یعنی گھٹیا ترین) جیسے جحیش (متکبر) اور جحمنت (تکبر کرنا)

**سوال**: مخالفت قیاس لغوی کی تعریف اور مثال بیان کریں؟

**جواب**: مخالفت قیاس لغوی یہ ہے کہ کلمہ اس قانون کے خلاف ہو جو لغت عرب کی چھان بین سے بنایا گیا جس طرح قام میں اعلال اور مدّ میں ادغام وغیرہ۔ جو علم صرف میں پائے جاتے ہیں۔

البتہ ابیٰ یابیٰ اور عورَ اِسْتَحْوَذَ قَطِطَ شَعْرُہٗ آلُ ماءٌ وغیرہ یہ شاذ ہیں اور لغت میں ثابت ہیں لہذا یہ قیاس لغوی کے مخالف نہیں۔

مخالفت کی مثال "الاجلل" ہے یعنی جب ادغام نہ کیا جائے تو یہ مخالفت قیاس ہے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ادغام کر کے اجلّ پڑھا جائے۔

**سوال**: کراہت فی السمع سے کلمہ کے خالی ہونے کو بھی فصاحت فی المفرد کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے جیسے کریم الجرشّی میں الجرشی ہے مصنف نے اس کا جواب فیہ نظر سے دیا ہے وضاحت کریں؟

**جواب**: کراہت فی السمع اس غرابت کے تحت داخل ہے جس کی تفسیر وحشیت سے کی گئی یعنی غرابت اور کراہت فی السمع دو الگ الگ باتیں نہیں ہیں۔

کیونکہ جرشیٰ جسے پسند نہیں کیا جاتا اس کی دو صورتیں ہیں یا تو یہ تکا کاتم اور افرنقعوا کی قبیل سے ہوگا یا تحسیش اور اصطلخم کی قبیل سے ہوگا یہ دونوں صورتوں میں غرابت ہے لہذا کراہت فی السمع غرابت میں داخل ہے الگ کوئی چیز نہیں۔

شارح نے یہاں کچھ اور باتیں بھی ذکر کی ہیں:

(۱) اگر کراہت، ثقل تک پہنچاتی ہے تو یہ تنافر کے تحت داخل ہے ورنہ فصاحت میں مخل نہیں۔

(۲) اس قول کے قائل نے یہ دلیل دی کہ لفظ، آواز کے قبیل سے ہے اور یہ بات فاسد ہے کیونکہ لفظ صوت (آواز) نہیں بلکہ اس کی کیفیت کا نام ہے۔

(۳) کراہت فی السمع کا تعلق نغمہ سے ہے کتنے ہی فصیح الفاظ ایسے ہیں جن کو سننے سے کراہت ہوتی ہے جب بولنے والے کی آواز مناسب نہ ہو۔

اور کتنے غیر فصیح الفاظ ہیں جن کے سننے سے لذت ہوتی ہے جب اچھی آواز سے ادا کئے جائیں۔

نوٹ: شارح نے ان تینوں صورتوں کو ضعیف قرار دیا ہے

**سوال: والفصاحة فی الکلام خلوصه من ضعف التالیف وتنافر الکلمات والتعقید مع فصاحتها**

عبارت مذکورہ بالا کا ترجمہ کریں اور فصاحت فی الکلام کی تعریف کریں نیز بتائیں کہ مع فصاحتہا ترکیب میں کیا واقع ہوا ہے؟

**جواب:** ترجمہ: اور کلام میں فصاحت یہ ہے کہ وہ ضعف تالیف، تنافر کلمات اور تعقید سے خالی ہو اور اسکے ساتھ ساتھ اس کے کلمات بھی فصیح ہوں۔

مع فصاحتها، غلوصہ کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہورہا ہے۔

**سوال:** فصاحت فی الکلام میں تنافر کی صورت کیا ہے؟ ضعف تالیف، تنافر کلمات اور تعقید کی تعریفات بمعہ امثلہ لکھیں؟

**جواب:** ضعف تالیف یہ ہے کہ اجزائے کلام کی تالیف وترکیب اس قانون نحوی کے خلاف ہو جو علم نحو کے جلیل القدر ائمہ کے درمیان مشہور ہے۔ جیسے لفظی اور معنوی اضمار قبل الذکر ہو۔ مثلا **ضرب غلامہ زیدا** یہ غیر فصیح ہے۔ کیونکہ غلامہ کی ضمیر مجرور زید کی طرف لوٹتی ہے اور یہاں ضمیر لفظا زید سے پہلے ہے اور معنیٰ بھی زید کے ذکر سے پہلے ہے کیونکہ زید مفعول ہونے کی وجہ سے مرتبہ کے اعتبار سے بھی موخر ہے۔ البتہ جب مفعول بہ کی ضمیر فعل سے ملی ہو تو اخفش نے اسے جائز قرار دیا اور ابن جنی سے اس کی اتباع کی ہے کیونکہ فعل شدت سے مفعول کا تقاضا کرتا ہے جیسے فاعل کا تقاضا کرتا ہے اس کی مثال:

**جزی ربه عني عدي بن حاتم**

یہاں ضمیر مجرور اپنے مرجع عدی بن حاتم سے لفظا اور رتبۃ مقدم ہے۔

تنافر یہ ہے کہ کلمات زبان پر ثقیل ہوں۔ بعض صورتوں میں ثقیل انتہائی درجہ کا ہوتا ہے۔

جیسے

**ليس قرب قبر حرب قبر**
**وقبر حرب بمكان قفر**

حرب (نامی شخص) کی قبر کے قریب کوئی قبر نہیں اور حرب کی قبر ایسی جگہ ہے

جہاں پانی اور لباس کا نام ونشان نہیں

اور بعض صورتوں میں ثقل کم ہوتا ہے جیسے:

متی امدحہ امدحہ والوری معی

واذا ما لمتہ لمتہ وحدی

جب میں اس کی تعریف کرتا ہوں تو اس طرح تعریف کرتا ہوں کہ مخلوق میرے ساتھ ہوتی ہے (میری ہمنوا ہوتی ہے) اور جب میں اس کی ملامت کرتا ہوں تو میں اکیلا ہی اس کی ملامت کرتا ہوں (میرے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا)

**سوال:** درج ذیل اصطلاحات کی تعریف سپرد قلم کریں؟

غریب قبیح، کثرت تکرار، کیف، فطانت، غباوت، غرابت، ضعف تالیف، تنافر حروف، مخالفت قیاس۔

**جواب:** غریب وہ غیر مانوس کلمہ جس کی معنیٰ پر دلالت ظاہر نہ ہو اور نہ ہی اس کا استعمال مانوس ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں غریب حسن اور غریب قبیح۔ جس غریب کا استعمال عربوں کے ہاں معیوب ہے وہ غریب قبیح ہے اس کو وحشی غلیظ بھی کہتے ہیں اور متوعر بھی کہا جاتا ہے جیسے جحیش (متکبر)

کثرت تکرار: کسی چیز کا دوبار ذکر کرنا تکرار ہے اگر یہ تکرار ایک بار سے زیادہ ہو تو کثرت تکرار ہے۔

کیف: ایسی ھیئت جو قارہ ہو یعنی تمام اجزاء کے ساتھ ثابت ہو جو بالذات تقسیم اور نسبت کی متقاضی نہ ہو۔

فطانت: غیر کے کلام کو سمجھنا فطانت ہے اور ایسے شخص کو فطین کہا جاتا ہے۔

غباوت: غیر کے کلام کو نہ سمجھنا غباوت ہے اور ایسا شخص غبی کہلاتا ہے۔

ذکاوت: نفس کی ایسی شدید قوت جو افکار و آراء کے لیے تیار کی جائے ذکاوت ہے اور ایسا شخص ذکی کہلاتا ہے۔

غرابت: کسی کلمہ کا وحشی ہونا یعنی معنیٰ پر اس کی دلالت ظاہر نہ ہو اور اس کا استعمال بھی مانوس نہ ہو جیسے **تکا کاتم** (تم جمع ہوئے) **افرنقعوا** (جدا ہو جائے)

ضعف تالیف: اجزاء کلام کی تالیف کا اس نحوی قانون کے خلاف ہونا جو بڑے بڑے نحویوں کے درمیان مشہور ہے جیسے لفظا اور معنا اضمار قبل الذکر مثلا **ضرب غلامہ زیدا**۔

تنافر حروف: کلمہ میں ایسے وصف کا پایا جانا جس کی وجہ سے (زبان پر ثقل پیدا ہو) اور اس کلمہ کے ساتھ بولنا مشکل ہو۔ جیسے **الھعخع** (انتہائی درجہ کا تنافر) اور **مستشزرات** (ادنیٰ درجہ کا تنافر)۔

مخالفت قیاس: کلمہ کا اس قانون کے خلاف ہونا جو لغت عرب کی چھان بین سے مستنبط ہو جیسے اعلال کا واجب ہونا مثلا اجلل مخالف قیاس ہے اور اجل ادغام کے ساتھ فصیح ہے لہذا صرفی قانون کے خلاف ہونا مخالف قیاس ہے۔

**سوال**: تعقید کسے کہتے ہیں؟ نظم اور انتقال میں تعقید کی تشریح کریں؟

**جواب**: تعقید یہ ہے کہ کلام اپنے مرادی معنیٰ پر ظاہرا دلالت نہ کرے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

(۱) نظم میں تعقید۔ (۲) انتقال میں تعقید

## نظم میں تعقید (تعقید لفظی):

نظم میں تعقید یہ ہے کہ تقدیم وتاخیر یا حذف یا اضمار وغیرہ کی وجہ سے الفاظ کی ترتیب معانی کی ترتیب کے موافق نہ ہو۔اس سے مراد کو سمجھنے میں مشکل پیش آتی ہے اگر چہ یہ کلام قوانین کے مطابق جاری ہو۔کیونکہ اس کا سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کلام میں ایسے امور جمع ہوں کہ جو کلام عرب میں ان کا استعمال عام ہوتا ہے لیکن ان میں سے بعض کی وجہ سے تعقید پائی جاتی ہے تو ان کے اجتماع کی وجہ سے تعقید شدید ہو جاتی ہے۔

### ایک وہم کا جواب:

بعض حضرات نے یہ وہم کیا کہ ضعف تالیف کی موجودگی میں تعقید لفظی کی ضرورت نہیں رہتی۔ان حضرات نے اس کی مثال میں فرزدق کا شعر پیش کیا ہے جو ہشام بن عبدالملک کے ماموں ابراہیم بن ہشام بن اسماعیل مخزومی کی مدح میں کہا گیا تھا وہ شعر یہ ہے کہ

**وما مثله فی الناس الا مملکا۔**
**ابو امه حی ابوه یقاربه۔**

اور اس کی مثل لوگوں میں نہیں مگر جیسے بادشاہ ہے جسے حکومت اور مال دیا گیا اور اس کی ماں کا باپ اس (ابراہیم) کا باپ ہے کوئی زندہ اس کے مشابہ نہیں۔

اس میں ابوامہ مبتدا اور ابوہ خبر ہے اور دونوں کے درمیان اجنبی یعنی حی کے ذریعے فصل ہے۔

اور موصوف یعنی حی اور صفت یقاربہ کے درمیان اجنبی یعنی ابوہ کے ذریعے

فصل ہے۔

نیز مستثنیٰ یعنی مالکا، مستثنیٰ منہ یعنی حیٌّ سے مقدم ہے اسی لیے اس مستثنیٰ کو نصب دیا گیا ورنہ مختار یہ ہے کہ یہ بدل ہو۔

اگر چہ اس قسم کی تقدیم وتاخیر عام ہے لیکن اس نے زیادہ تعقید واجب کر دی۔

بعض نے کہا مثلہ مبتدا ہے اور حیٌّ اس کی خبر ہے اور کلمہ ما لغت تمیم کے مطابق عمل نہیں کرتا بعض نے اس کے برعکس کہا بہر حال دونوں صورتوں میں معنیٰ میں اضطراب پایا جاتا ہے شارح فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ مثلہ ما کا اسم ہے اور فی الناس اس کی خبر ہے اور حی یقاربہ مثلہ سے بدل ہے اور اور مبدل منہ اور بدل میں فصل ہے۔

بہر حال ضعف تالیف اور تعقید دونوں میں عموم خصوص من وجہ ہے بعض اوقات ضعف تالیف پائی جاتی ہے تعقید نہیں ہوتی جیسے جاءنی احمدٌ (تنوین کے ساتھ) اور کبھی تعقید ہوتی ہے ضعف تالیف نہیں ہوتا۔ جب ایسے امور ہوں جن کا استعمال عام ہے اور فرزدق کے شعر میں دونوں یعنی تعقید اور ضعف تالیف جمع ہیں۔

**انتقال میں تعقید (تعقید معنوی):**

اس کا مطلب یہ ہے کہ کلام کسی خلل کی وجہ سے مرادی معنیٰ پر دلالت نہیں کرتا اور وہ خلل ذہن کے پہلے معنیٰ سے جو لغت سے سمجھا جاتا ہے دوسرے یعنی مقصودی معنیٰ کی طرف انتقال میں پایا جاتا ہے۔

اس خلل کی وجہ لوازم بعیدہ کا وارد ہونا ہے جو وسائل کثیرہ کے محتاج ہوتے ہیں علاوہ ازیں مقصود پر دلالت کرنے والے قرائن بھی مخفی ہوتے ہیں۔ جیسے عباس بن

احنف کا قول یہ ہے:

سأطلب بعد الدار عنکم لتقربوا

وتسکب عینای الدموع لتجمدا

میں عنقریب تم سے مکان کی دوری طلب کروں گا تا کہ تم قریب ہو جاؤ اور میری آنکھیں آنسو بہائیں گی تا کہ وہ خشک ہو جائیں۔ مقصود قرب تھا لیکن ذکر گھر کی دوری کا کیا جو دوری کا باعث ہے لیکن جب آدمی کہیں دور ہوتا ہے تو محبت بڑھتی ہے لہذا دوری قرب کا سبب ہوا آنکھوں کا جمود اصل میں آنسو بہنے کی ضد ہے۔ یعنی جب آدمی رونا چاہے تو آنکھیں آنسوؤں سے خالی ہوں پھر آنکھوں کے مطلق خالی ہونے پر بولا گیا پھر مسرت سے کنایہ کیا گیا۔

مطلب یہ ہے کہ احباب کا قرب اور خوشی مطلوب ہے لیکن ظاہری معنیٰ سے اس مطلوب کی طرف انتقال فوری طور پر نہیں ہوتا لہذا یہ تعقید فی الانتقال ہے۔

**سوال:** فصاحت فی الکلام میں کثرۃ تکرار کو بھی فصاحت کے خلاف کہا گیا ہے اس کی وضاحت کریں اور بتائیں مصنف نے اس کا مطلقاً انکار کیا ہے یا تفصیل ہے؟

**جواب:** بعض حضرات نے فرمایا کہ فصاحت کلام میں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کثرت تکرار اور تتابع اضافات سے بھی خالی ہو جیسے ابو الطیب کا قول ہے۔

تسعد فی غمرۃ بعد غمرۃ

سبوح لها منها علیها شواهد

وہ تیز گھوڑا شدید پانی میں میری مدد کرتا ہے اس کے لئے اسی سے اس پر گواہ ہیں۔

اس میں ثمرہ کا بھی تکرار ہے اور ضمیر مجرور کا بھی تکرار ہے۔ اور ابن مالک کا قول ہے:

**اسجعی حمامة جرعی حومة الجندل**

**فانت بمرأی من سعاد ومسمع**

(اے) پتھریلی زمین کے کھلے مقام کی ریتلی جگہ کی کبوتری تو آواز نکال کیونکہ تو سعاد کے دیکھنے اور سننے کی جگہ میں ہے۔

یہاں حمامہ کی اضافت جرعی کی طرف جرعی کی حومۃ کی طرف اور حومہ کی جندل کی طرف ہے۔

شارح فرماتے ہیں کثرت تکرار اور تتابع اضافات سے کلام کے خالی ہونے کو الگ شمار کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اگر اس کی وجہ سے لفظ زبان پر ثقیل ہوتا ہے تو تنافر کی وجہ سے اس سے احتراز ہو گیا ورنہ یہ فصاحت میں مخل نہیں اور کیسے یہ خلل کا باعث ہو سکتا ہے۔ جب کہ حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

**الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحق بن ابراھیم۔**

یہاں تتابع اضافات ہے۔ لیکن یہ فصیح ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

**ذکر رحمة ربک عبده ذکریا۔**

یہاں ذکر کی اضافت رحمت کی طرف رحمت کی اضافت لفظ رب کی طرف اس کی اضافت عبد کی طرف اور اس کی اضافت ضمیر مجرور کی طرف ہے۔ اسی طرح

تکرار کی مثال یہ ہے۔

**ونفس و ما سواھا فالھمھا فجورھا و تقواھا۔**

یہاں ضمیر مونث کا تکرار ہے لہذا کثرت تکرار فصاحت کے خلاف نہیں۔

**سوال:** تعقید معنوی اور تنافر سے کلام محفوظ رکھنے کے لیے کس علم کی ضرورت ہے؟

**جواب:** تنافر سے کلام کو محفوظ رکھنے کے لیے حس (یعنی ذوق صحیح) کی ضرورت ہے اور تعقید معنوی سے بچنے کے لیے علم معانی اور علم بیان (علم البلاغۃ) کی ضرورت ہے۔

**سوال:** فصاحت فی المتکلم کی تعریف کریں نیز **والبلاغۃ فی الکلام مطابقتہ لمقتضی الحال مع فصاحتہ۔**

مذکورہ بالا عبارت کی تشریح اس طرح کریں کہ بلاغت فی الکلام کی تعریف واضح ہو جائے؟

**جواب:** فصاحت فی المتکلم ایک ایسا ملکہ ہے جس کے ذریعے لفظ فصیح کے ساتھ متکلم اپنے مقصود کو بیان کر سکتا ہے۔

یعنی وہ کلام کر رہا ہو یا نہ دونوں صورتوں میں وہ فصیح ہوگا جب اسے یہ ملکہ حاصل ہو۔

بلاغت فی الکلام یہ ہے کہ کلام مقتضی الحال کے مطابق ہو اور فصیح بھی ہو۔

یعنی فصیح کلام جب مخاطب کے حال کے مطابق ہو تو یہ بلاغت فی الکلام ہے مثلاً مخاطب منکر ہے تو تاکیدی کلام لایا جائے یہ مقتضی الحال کی مطابقت ہے۔

**سوال:** **وکل کلمۃ مع صاحبھا مقام** اس عبارت کا جامع مفہوم بیان کریں؟

**جواب:** اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک کلمہ کے ساتھ جو دوسرا کلمہ ملا ہوتا ہے اس کے ساتھ اس پہلے کلمے کا وہ مقام ہے جو اس دوسرے کلمہ کے ساتھ اصل معنی میں شریک کلمہ کا نہیں ہوتا مثلا کسی فعل کو شرط کے ساتھ ملانے کا قصد کیا جائے تو ایک کلمہ شرط کے ساتھ کا جو مقام ہوگا وہ دوسرے کلمات کے ساتھ نہیں ہوگا مثلا ماضی کے ساتھ جو مقام ہوگا مضارع کے ساتھ نہیں ہوگا۔

اسی طرح مسند الیہ مثلا زید کا جو مقام مفرد کے ساتھ ہوگا وہ جملہ کے ساتھ نہیں ہوگا۔

**سوال:** حال، مقتضی الحال اور مطابقت کی وضاحت کریں؟

**جواب:** حال وہ امر جو مخصوص طریقے پر کلام کی دعوت دیتا ہے۔ یہاں تک کہ جو کلام اصل معنی تک پہنچاتا ہے اس کی ساتھ کسی خصوصیت کا بھی اعتبار ہو۔

مقتضی الحال یعنی مخاطب کا حال جس چیز کا تقاضا کرتا ہے مثلا مخاطب حکم کا منکر ہے یہ حال ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ کلام مؤکد ہو یعنی تاکید اس کا مقتضی ہے۔

اور مطابقت کا معنی یہ ہے کہ اگر حال تاکید کا تقاضا کرتا ہے تو کلام مؤکد ہو اور اگر تاکید کو نہیں چاہتا تو تاکید سے خالی کلام ہو اسی طرح اگر وہ مسند کے حذف کو چاہتا ہو تو اسے حذف کیا جائے اگر اس کے ذکر کا تقاضا کرتا ہے تو اسے ذکر کیا جائے۔

**سوال:** حال اور مقام میں کیا فرق ہے؟ تفاوت مقام کی وضاحت کریں؟

**جواب:** حال اور مقام کا مفہوم قریب ہے اور ان کے درمیان تغایر اعتباری ہے جو امر کلام مخصوص کا داعی ہے وہ اس اعتبار سے مقام ہے کہ اس میں کلام کسی خصوصیت کے ساتھ وارد ہوتا ہے۔

اور حال اس اعتبار سے کہلاتا ہے کہ وہ اس کے لئے زمانہ ہوتا ہے نیز مقام میں اس کی اضافت مقتضی (اسم مفعول) کی طرف ہوتی ہے کہا جاتا ہے مقام تاکید مقام اطلاق مقام حذف وغیرہ اور حال کی اضافت مقتضی (اسم فاعل) کی طرف ہوتی ہے کہا جاتا ہے انکار والا حال، خالی ذہن والا حال (حالت)

جب مقام مختلف ہوں تو مقام کے مقتضی بھی متفاوت ہوں گے۔ کیوں کہ یہ بات لازمی ہے کہ جو اعتبار ایک مقام کے لائق ہے وہ دوسروں کے لائق نہیں اور ان کے درمیان اختلاف بعینہ احوال کے مقتضیات کا اختلاف ہے۔

**سوال: والبلاغة فی المتکلم ملکة یقتدر بها علی تالیف کلام بلیغ۔**

عبارت مذکورہ بالا کا ترجمہ اور ملکہ کی تعریف تحریر کریں؟

**جواب:** متکلم میں بلاغت ایک ملکہ ہے جس کے ذریعے وہ بلیغ کلام کی ترکیب پر قادر ہوتا ہے۔

ملکہ مقولہ کیف کی ایک قسم ہے اور قدماء کے نزدیک کیف ایک ایسی ھیئت کا نام ہے جو اپنے اجزاء کے ساتھ ثابت ہوتی ہے اور وہ ذاتی طور پر تقسیم اور نسبت کا تقاضا نہیں کرتی۔ اور ھیئت اور عرض دونوں کا مفہوم قریب ہے البتہ عرض کو عروض یعنی دوسری چیزیں حاصل ہونے کی وجہ سے عرض کہتے ہیں اور ھیئت بنفسہ حاصل ہوتی ہے۔

**سوال:** حصول بلاغت وفصاحت کن امور پر موقوف ہے اور وہ کتنے ہیں؟

**جواب:** کلمہ تنافر، غرابت، مخالفت قیاس لغوی سے خالی ہو اور کلام ضعف تالیف،

تنافر کلمات اور تعقید سے خالی ہو متکلم کو ایسا ملکہ حاصل ہو کہ وہ فصیح کلام پر قادر ہو نیز کلام مقتضائے حال کے مطابق ہو۔ اسی طرح فصاحت سات اور بلاغت آٹھ امور پر موقوف ہے۔ سات وہ جو فصاحت کے لئے ہیں اور آٹھویں بات کلام کا مقتضی حال کے مطابق ہونا۔

**سوال: وارتفاع شان الكلام فى الحسن والقبول بمطابقته للاعتبار المناسب وانحطاطه اى انحطاط شانه بعدمها اى بعدم مطابقة الكلام للاعتبار المناسب۔**

(i) عبارت مذکورہ بالا کا ترجمہ اور غرض وغایت بیان کریں؟ نیز اعتبار مناسب کی تعریف ذکر کریں؟

(ii) مطول کی روشنی میں واضح کریں کہ عبارت میں الکلام سے کون سا کلام مراد ہے مطلق کلام یا مقید بفصاحت اور کیوں؟

(iii) کلام کا رفیع الشان ہونا صرف اعتبار مناسب کی مطابقت سے ہوتا ہے یا محسنات بلاغیہ پر مشتمل ہونے کی وجہ سے بھی ہوتا ہے بر تقدیر ثانی حُسن سے مراد کون سا حسن ہے؟

**جواب:** (i) ترجمہ: حسن وقبول میں کلام کی شان کی بلندی اس وقت ہوتی ہے جب وہ اعتبار مناسب کے مطابق ہو اور اس کا انحطاط یعنی کلام کی شان کا گر جانا اس کے اعتبار مناسب کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اس عبارت کی غرض یہ ہے کہ کلام کے حسن وقبول کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وہ کلام اعتبار مناسب یعنی مقتضائے حال کے مطابق ہو کیونکہ اسی صورت میں وہ

کلام بلیغ ہوگا اور اگر یہ مطابقت نہ ہو تو کلام بلیغ نہ ہونے کی وجہ سے حسن وقبول میں اس کی کوئی شان نہیں ہوگی۔

**اعتبار مناسب:** اعتبار مناسب سے مراد وہ امر ہے جسے متکلم مناسب خیال کرتا ہے چاہے وہ اپنے سلیقہ کے اعتبار سے مناسب خیال کرے یا بلغاء کی تراکیب کی تحقیق وجستجو کے بعد ایسا کرے۔ اسے مقتضائے حال بھی کہتے ہیں۔

(ii) عبارت مذکورہ بالا میں کلام سے مراد کلام فصیح ہے کیونکہ کلام جب تک فصیح نہ ہو بلیغ نہیں ہو سکتا اور اعتبار مناسب کے مطابق وہی کلام ہوتا ہے جو بلیغ ہو۔

(iii) کلام کے رفیع الشان ہونے کا تعلق اعتبار مناسب کے مطابق ہونا ہے اور اس میں حسن سے مراد حسن ذاتی ہے جو بلاغت میں داخل ہوتا ہے لہذا اس کا تعلق محسنات بدیعیہ سے نہیں البتہ بعض اوقات کلام محسنات لفظیہ اور معنویہ کے ساتھ بلند شان والا ہوتا ہے لیکن یہ حد بلاغت کی تعریف سے خارج ہے۔

## علوم بلاغت
## اور احوال اسناد خبری

**سوال:** علم معانی، علم بیان اور علم بدیع میں سے ہر ایک کی تعریف کریں؟

**جواب:** جس علم کے ذریعے لفظ کی ادائیگی میں خطا سے محفوظ رہیں وہ علم معانی ہے جس علم کے ذریعے تعقید معنوی سے بچا جاتا ہے وہ علم بیان ہے اور جس علم کے ذریعے وجوہ تحسین کی پہچان ہوتی ہے اسے علم بدیع کہا جاتا ہے۔

**سوال**: علم معانی، علم بیان اور علم بدیع تینوں علم کی ضرورت اور غرض پر روشنی ڈالیں؟

**جواب**: معنیٰ مرادی کی ادائیگی میں خطا سے بچنے کے لیے علم معانی ضروری ہے۔ اور تعقید معنوی سے کلام کو بچانا تاکہ فصیح اور غیر فصیح میں امتیاز ہو سکے اس مقصد کے لیے علم بیان کی حاجت ہوتی ہے اور کلام میں تحسین پیدا کرنے کے لئے وجوہ تحسین کی پہچان کی خاطر علم بدیع ضروری ہے۔

**سوال**: **هو علم يعرف به احوال اللفظ العربی اللتی بها يطابق اللفظ مقتضىٰ الحال۔**

مذکورہ بالا عبارت کی تشریح کریں نیز اس میں کس علم کی تعریف کی گئی اور احوال لفظ سے کیا مراد ہے؟

**جواب**: وہ علم ہے جس کے ذریعے عربی لفظ کے ان احوال کی پہچان ہوتی ہے جن کے ذریعے لفظ مقتضیٰ حال کے مطابق ہوتا ہے۔

اس میں علم معانی کی تعریف ذکر کی گئی ہے یعنی علم معانی کے ذریعے لفظ کے بعض احوال کی پہچان ہوتی ہے یعنی وہ احوال جن کے ذریعے لفظ مقتضائے حال کے مطابق ہوتا ہے۔

احوال لفظ سے وہ جزوی امور مراد ہیں جو لفظ کو لاحق ہوتے ہیں جیسے اس کا مقدم و موخر ہونا یا معرفہ و نکرہ ہونا۔

**سوال**: علم معانی کو علم بیان پر مقدم کیوں کیا گیا؟

**جواب**: اس کو اس لئے مقدم کیا گیا کہ یہ مفرد کی طرح ہے اور مفرد مرکب سے مقدم

ہوتا ہے کیونکہ علم بیان کے ذریعے ایک معنیٰ کو مختلف تراکیب میں لانے کی معرفت حاصل ہوتی ہے لیکن اس سے پہلے مقتضیٰ حال کی مطابقت کی رعایت کی جاتی ہے لہذا علم معانی، علم بیان میں شامل ہوکر مفرد قرار پایا اور مفرد، مرکب سے مقدم ہوتا ہے۔

**سوال: التی بها یطابق اللفظ مقتضی الحال** کے ذریعے کن احوال سے احتراز کیا گیا ہے؟

**جواب**: ان احوال سے احتراز کیا گیا ہے جن کی یہ صفت (مقتضائے حال کے مطابق ہونا) نہیں جیسے اعلال، ادغام، رفع اور نصب وغیرہ جو اصل معنیٰ کی ادائیگی میں ضروری ہیں اسی طرح محسنات بدیعیہ جیسے تجنیس اور ترصیع وغیرہ سے بھی احتراز کیا گیا کیونکہ یہ رعایتِ مطابقت کے بعد ہوتے ہیں۔

سوال: علم بدیع کسے کہتے ہیں اور ان تینوں علوم کے بارے میں مصنف نے کیا فرمایا؟

جواب: علم بدیع وہ علم ہے جس کی ذریعے وجوہ تحسین کی پہچان ہوتی ہے مصنف فرماتے ہیں علم معانی و بیان کو علم بلاغت اور علم بدیع کو اس کے توابع کہا جاتا ہے کچھ لوگ ان تینوں کو علم البیان کہتے ہیں بعض نے پہلے کو علم معانی اور دوسرے دونوں کو علم البیان کہا ہے اور تینوں کو علم بدیع بھی کہا گیا ہے۔

**سوال**: علم معانی کا مقصود کتنے اور کون کون سے ابواب میں منحصر ہے؟

**جواب**: علم معانی کا مقصود آٹھ ابواب میں منحصر ہے:

(۱) احوال اسناد خبری۔(۲) احوال مسند الیہ۔(۳) احوال مسند۔(۴) احوال متعلقات فعل۔(۵) قصر۔(۶) انشاء۔(۷) فصل و وصل۔(۸) ایجاز، اطناب اور مساوات۔

**سوال** :ان ابواب کی وجہ حصر بیان کریں؟

**جواب**: اس کی وجہ حصر یہ ہے کہ کلام یا تو خبر ہوگا یا انشاء۔ اگر اس کی نسبت کے لیے تینوں زمانوں میں سے کسی زمانے میں کوئی خارج (کوئی واقعہ) ہوگا کہ یہ نسبت اس خارج کے مطابق ہو یا مطابق نہ ہو یا خارج نہیں ہوگا اگر خارج نہ ہو تو وہ انشاء ہے ورنہ خبر ہے۔

پھر خبر کے لئے مسند الیہ مسند اور اسناد کا ہونا ضروری ہے۔ اور بعض اوقات مسند کے لئے متعلقات ہوتے ہیں جب وہ فعل یا معنیٰ فعل ہو (معنیٰ فعل جیسے مصدر، اسم فاعل، اسم مفعول، اسم ظرف وغیرہ) اور اسناد اور تعلق میں سے ہر ایک قصر کے ساتھ ہوگا یا قصر کے بغیر ہوگا نیز ہر جملہ جو دوسرے ملا ہو وہ معطوف ہوگا یا غیر معطوف نیز کلام بلیغ کسی فائدے کے لئے اصل مراد سے زائد ہوگا یا زائد نہیں ہوگا (تو اس طرح وصل فصل، ایجاز، اطناب وغیرہ امور پیدا ہوں گے)

مصنف علیہ الرحمہ نے ایک اور وجہ حصر بیان کر کے اسے اقرب قرار دیا وہ یہ کہ لفظ جملہ ہوگا یا مفرد پس احوال جملہ پہلا باب پھر مفرد عمدہ ہوگا یا فضلہ عمدہ مسند الیہ ہوگا یا مسند تو ان احوال کے تین باب ہوں گے پھر ان احوال کے لیے مزید ابحاث ہوں گی اور طرق زیادہ ہوں تو یہ قصر ہے جو پانچواں باب ہے۔ پھر ان احوال کے لیے مزید شرف ہوگا اور علماء معانی کے لیے زیادہ اہتمام ہوگا تو وہ فصل اور وصل چھٹا باب ہوگا پھر بعض احوال مفرد یا جملہ کے ساتھ خاص نہیں بلکہ عام ہیں تو ان کو ساتواں باب بنایا ان سب میں خبر اور انشاء مشترک ہیں اور انشاء کے ساتھ خاص ابحاث آٹھواں باب ہے۔

**سوال:** خبر اور انشاء میں فرق واضح کریں؟

**جواب:** خبر میں نسبت کا تعلق خارج میں پائے جانے والے واقعہ سے ہوتا ہے اور انشاء میں کسی بات کو وجود میں لانا ہوتا ہے کسی خارجی واقعہ سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔

**سوال:** علم معانی اور علم بیان میں فرق واضح کریں نیز مقتضائے حال کسے کہتے ہیں؟

**جواب:** علم معانی کے ذریعے اس بات کا علم حاصل ہوتا ہے کہ لفظ مقتضائے حال کے مطابق ہے جب کہ علم بیان میں اس کے ساتھ ساتھ ایک معنیٰ کو مختلف تراکیب میں لانے کی پہچان حاصل ہوتی ہے یوں علم معانی مفرد کی طرح اور علم بیان مرکب کی طرح ہے مخاطب کی وہ حالت جو خاص طریقہ تکلم کو دعوت دیتی ہے۔ اسے حال کہتے ہیں اور یہ حال جس انداز کے کلام کو چاہتا ہے اسے مقتضی الحال کہتے ہیں جیسے مخاطب منکر ہو تو کلام میں تاکید لائی جاتی ہے گویا مخاطب کا منکر ہونا حال ہے اور تاکید مقتضی الحال ہے۔

**سوال:** خبر کے مقاصد واضح کریں؟

**جواب:** خبر کے دو مقصد ہوتے ہیں۔(۱) مخاطب کو حکم کا فائدہ دینا جیسے "زید قائم" یعنی مخاطب کو زید کے کھڑا ہونے کی خبر دی جارہی ہے۔(۲) مخاطب کو اس بات کا فائدہ دینا کہ مخبر بھی اس حکم کو جانتا ہے۔ جیسے جس شخص نے قرآن مجید حفظ کیا ہو اسے کہنا **قد حفظت القرآن** تو نے قرآن حفظ کیا ہے مطلب یہ کہ مجھے بھی اس بات کا علم ہے کہ تو نے قرآن مجید حفظ کیا ہے۔

**سوال: صدق الخبر مطابقته ای مطابقة حکمه للواقع وهو الخارج الذی یکون لنسبة الکلام الخبری و کذبه ای**

**كذب الخبر عدمها اى عدم مطابقته للواقع۔**

(i) عبارت کا ترجمہ کریں؟

(ii) صدق کی تعریف جامع نہیں کیونکہ مبالغہ پر مشتمل کلام مثلاً "**جئتك اليوم الف مرة**" پر صادق نہیں آتی کیونکہ یہ خلاف واقع ہے اس کا جواب دیں؟

(iii) شارح نے الواقع سے الخارج مراد لے کر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے آپ سوال و جواب سپرد قلم کریں؟

**جواب:** ترجمہ: صدق خبر اس کا مطابق ہونا یعنی اس کے حکم کا واقع کے مطابق ہونا ہے اور وہ (واقع) اس خارج کا نام ہے جو نسبت کلام خبری کے لیے ہوتا ہے اور اس کا کذب یعنی خبر کا کذب اس کا عدم ہے یعنی اس (خبر) کا واقع کے مطابق نہ ہونا ہے۔

(ii) اگر وہ اس سے عدد مراد لیتا ہے کہ وہ ایک ہزار مرتبہ آیا تو یقیناً یہ واقع کے خلاف ہونے کی وجہ سے صدق نہیں بلکہ کذب ہے۔

لیکن عام طور پر ایسے کلام سے کثرت مراد ہوتی ہے لہذا یہ صدق ہوگا۔

(iii) یہ ایک سوال کا جواب ہے وہ یہ کہ لفظ بعت واشتریت ماضی کے صیغے ہیں اور یہ خبر ہے لیکن متعاقدین یعنی بائع اور مشتری یہ الفاظ بولیں تو وہاں انشاء مراد ہوگی اور انشاء میں صدق و کذب نہیں ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ الفاظ بطور انشاء بولے جائیں تو ان کے لئے خارج نہیں ہوتا لہذا یہ خبر نہیں اور صدق و کذب خبر کی دو صورتیں ہیں اس لئے صدق و کذب کے لیے خارج کا ہونا ضروری ہے۔

**سوال:** خبر، صدق و کذب میں منحصر ہے اس سلسلے میں جاحظ کا موقف کیا ہے؟

**جواب:** جمہور کے نزدیک خبر صدق و کذب میں منحصر ہے یعنی خبر سچی ہوگی یا جھوٹی، تیسری صورت نہیں جب کہ جاحظ کے نزدیک خبر کی تین صورتیں ہیں خبر صادق، خبر کاذب اور وہ خبر جس میں نہ صدق ہوتا ہے اور نہ کذب۔ جاحظ کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت کریمہ ہے۔ **افتریٰ علی اللہ کذبا ام بہ جنۃ۔**

(انہوں نے یعنی حضور صلی اللہ علیہ نے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا یا آپ مجنون ہیں)

کفار نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حشر و نشر کے بارے میں خبر کو دو باتوں میں منحصر کیا۔ (۱) من گھڑت۔ (۲) جنون کی حالت میں دی گئی خبر۔ اور یہ بات واضح ہے کہ دوسری صورت میں خبر کذب کا غیر ہے کیونکہ یہ کذب کی قسیم ہے اور کسی چیز کی قسیم اس کا غیر ہوتی ہے لہذا "ام بہ جنۃ" کذب نہیں اور یہ صدق بھی نہیں کیونکہ ان کے اعتقاد کے مطابق یہ سچی خبر نہیں یوں ایک تیسری شکل سامنے آگئی جو صدق و کذب دونوں کا غیر ہے۔

اس کا جواب یوں دیا گیا ہے کہ ام بہ جنۃ کا معنیٰ ہے کہ افتراء نہیں ہے یعنی جنون کی وجہ سے یا افتراء نہیں ہے کیونکہ افتراء قصداً ہوتا ہے لہذا دوسری صورت کذب کی مطلق قسیم نہیں بلکہ اس سے خاص ہے تو یہ کذب کی دو قسمیں ہوئیں ایک قصداً کذب یعنی افتراء اور دوسری قصد کے بغیر افتراء اور وہ حالت جنون کی خبر ہے اس لئے تیسری قسم ثابت نہیں ہوتی۔

**سوال:** خبر کے حوالے سے جمہور اور نظام کے درمیان کیا اختلاف ہے؟

**جواب:** جمہور کے نزدیک صدق خبر یہ ہے کہ وہ واقع کے مطابق ہو اور کذب یہ ہے

کہ واقع کے مطابق نہ ہو نظام معتزلی اور اس کے تابع حضرات کہتے ہیں صدق خبر یہ ہے کہ مخبر کے اعتقاد کے مطابق ہو اور کذب خبر اس کے اعتقاد کے موافق نہ ہونا ہے۔ ان کی دلیل قرآن مجید کی یہ آیت ہے:

**اذا جاءک المنافقون قالوا نشهد انک لرسول الله والله یعلم انک لرسوله والله یشهد ان المنافقین لکاذبون ۔**

جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔

یہ حضرات کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ان کے اس قول میں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں جھوٹا قرار دیا حالانکہ یہ واقع کے مطابق ہے اگر صدق خبر واقع کے مطابق ہونے کا نام ہوتا تو یہ نفی صحیح نہ ہوتی لیکن چونکہ یہ خبر ان کے اعتقاد کے مطابق نہیں اس لئے ان کو جھوٹا قرار دیا گیا۔

اس کا جواب یوں دیا گیا کہ ان کے جھوٹا ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں، کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور یہ کہ ہمارے زبان اور دل ایک دوسرے کے موافق ہیں۔ لہذا تکذیب ان کے قول نشہد کی طرف لوٹتی ہے یعنی ان کا یہ کہنا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو وہ اپنی اس گواہی میں جھوٹے ہیں۔

**سوال: لا شک ان قصد المخبر ای من یکون بصدد الاخبار**

**والا علام لا مـن يتلفظ با لجملة الخبريه فانه كثير ا مايو رذ الجمله الخبرية لا غراض اخر سوى افادة الحكم ولا زمه۔**

(الف) مندرجہ بالا عبارت کا ترجمہ وتشریح اس انداز سے کریں کہ غرض مصنف واضح ہوجائے؟

(ب) فائدۃ الخبر اورلازم فائدۃ الخبر کی توضیح قلم بند کریں؟ مصنف نے کہا ہر مخبر خبر سے حکم یا **کـو نه عالما بالحكم** کے افادہ کا قصد کرتا ہے بتایئے کہ یہاں حکم کا کونسا معنی مراد ہے؟

**جواب:** اس بات میں شک نہیں کہ مخبر کا قصد یعنی وہ شخص جو خبر اور اطلاع دینے کے درپے ہے وہ نہیں جو جملہ خبریہ بولتا ہے کیونکہ بہت دفعہ جملہ خبریہ دیگر کئی اغراض کے لئے لایا جاتا سوائے حکم اور لازم حکم کے فائدہ کے۔

یہاں مصنف علیہ الرحمہ بتانا چاہتے ہیں کہ مخبر کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جو جملہ خبریہ کا تلفظ کرتا ہے اور اسے بھی مخبر کہتے ہیں جو خبر دے رہا ہے تو یہاں مخبر سے وہ مراد ہے جو خبر دے رہا ہے کیونکہ وہ مخبر جو جملہ خبریہ کا تلفظ کرتا ہے تو بعض اوقات اس کی اغراض کچھ اور ہوتی ہیں حکم یا لازم حکم کا فائدہ دینا نہیں ہوتا۔

مثلاً: حضرت عمران کی بیوی کا یہ کہنا:

**انی وضعتها انثیٰ۔** میرے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے

تو یہاں اظہار افسوس مقصود ہے حکم کا فائدہ دینا مقصود نہیں۔

جب کہ یہاں مخبر کا مقصود حکم کا فائدہ یا لازم حکم کا فائدہ ہے۔

نوٹ: فائدۃ الخبر اور لازم فائدۃ الخبر کی بحث پہلے ہو چکی ہے۔

(ج) یہاں حکم سے مراد وقوع نسبت ہے ایقاع نہیں کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ مخبر کا قصد اس بات کا فائدہ دینا نہیں ہوتا کہ اس نے نسبت واقع کی یا وہ اسے واقع کرنے کا عالم ہے۔

**سوال:** اسناد خبری کی تعریف کریں اور بتائیں کہ مصنف نے اسناد خبری کی دو تعریفوں میں سے ایک کو اولیٰ قرار دیا دوسری تعریف کس نے کی ہے اور مصنف کی تعریف اولیٰ کیوں ہے؟

**جواب:** اسناد خبری کی تعریف مصنف نے یوں کی ہے۔

**ضم کلمة او ما یجری مجراها الی الاخری بحیث یفید الحکم بان مفهوم احدهما ثابت لمفهوم الاخری اومنفی عنه۔**

ایک کلمہ یا جو کلمہ کے قائم مقام ہے (یعنی مرکبات تقییدیہ اور اضافیہ) کا دوسرے کلمہ کے ساتھ اس طرح ملنا کہ وہ حکم کا فائدہ دے اس طرح کہ ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم کے لیے ثابت ہو یا اس سے اس کی نفی ہو۔

دوسری تعریف مفتاح العلوم میں کی گئی ہے اور وہ یوں ہے

**الحکم بمفهو م لمفهوم بانه ثابت له او منفی عنه۔**

ایک مفہوم کو دوسرے مفہوم کے لئے ثابت کرنا یا اس سے اس کی نفی کرنا مصنف نے دوسری کے مقابلہ میں پہلی تعریف کو اولیٰ قرار دیا کیونکہ یہ بات قطعی ہے کہ مسند الیہ اور مسند الفاظ کے اوصاف میں سے ہیں جب کہ مفتاح کی تعریف میں مسند الیہ اور مسند کو مفہوم قرار دیا گیا ہے۔

**سوال:** احوال اسناد خبری کے احوال تحریر کریں؟

**جواب:** اسناد خبری کے احوال میں چند امور شامل ہیں مثلاً اسناد، تاکید کے بغیر ہو یا تاکید کے ساتھ پھر یہ کہ تاکید مستحسن ہوگی یا واجب اسی طرح اسناد حقیقت عقلیہ کے طور ہوگی یا مجاز عقلی کے طور پر یوں ہی اسناد کا مطلب مخاطب کو حکم کا فائدہ دینا ہے یا لازم حکم کا فائدہ دینا مطلوب ہے جسے فائدہ خبر اور فائدہ لازم خبر کہتے ہیں۔

**سوال:** واؤ کی اقسام بیان کریں؟

**جواب:** واؤ کی درج ذیل اقسام ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| واؤ عاطفہ | جیسے | **جاء زید و عمرو** |
| واؤ حالیہ | جیسے | **جاء زید و هو راکب** |
| واؤ قسمیہ | جیسے | **والله لا شربن لبنا** |
| واؤ بمعنی رُبَّ | جیسے | **وعالم یعمل بعلمه** (یعنی ربّ عالم) |

بہت کم عالم اپنے علم پر عمل کرتے ہیں

**سوال:** جب مخاطب فائدہ خبر اور لازم فائدہ خبر کا عالم ہو تو پھر اسے خبر دینے کی وجہ کیا ہے؟

**جواب:** جب کوئی عالم (جاننے والا) اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتا تو اسے جاہل کے قائم مقام قرار دیا جاتا اور اس کو خبر دی جاتی ہے جیسے کوئی شخص عالم ہونے کے باوجود نماز کا تارک ہو تو اسے کہا جاتا ہے "الصلوٰۃ واجبۃ" نماز واجب ہے۔

**سوال:** جب سائل عارف ہو تو اس سے سوال کا مقصد کیا ہوتا ہے؟

**جواب:** جب سائل عارف ہو تو اس کے علم وعرفان کا تقاضا ہے کہ وہ سوال نہ کرے

لیکن جب وہ کسی حکمت کے تحت سوال کرتا ہے تو جواب دینا ضروری ہوتا ہے جیسے کسی کے سامنے کتاب پڑی ہو اور پوچھنے والا پوچھے کہ یہ کیا ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ کتاب ہے تو اسے جواب دیا جاتا ہے کہ یہ کتاب ہے اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں عصا ہے لیکن حکمت کے تحت سوال کیا یہاں حکمت یہ تھی کہ جب وہ عصا سانپ کی شکل اختیار کرے تو دونوں میں فرق ظاہر ہو جائے۔

اسی طرح بعض اوقات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے کوئی بات پوچھتے حالانکہ آپ کو علم ہوتا تھا تو وہ سوال کسی حکمت کے تحت ہوتا تھا آپ کے عدم علم کی دلیل نہیں تھی۔

**سوال:** فان كان المخاطب خالى الذهن من الحكم والتردد فيه استغنى عن مو كدات الحكم وان كان مترددا فيه طالبا له حسن تقويته بموكد وان كان منكرا وجب توكيده بحسب الانكار ويسمى اخراج الكلام عليها اخراجا على مقتضى الظاهر.

(ا) عبارت مذکورہ بالا کا ترجمہ اور تشریح سپرد قلم کریں اور ہر ایک قسم کا اصطلاحی نام اور مثال تحریر کریں؟

(ب) موکدات حکم کونسی چیزیں ہیں وضاحت کریں؟

**جواب:** ترجمہ: اگر مخاطب کا ذہن حکم اور اس میں تردد سے خالی ہو تو حکم کی تاکیدات کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر وہ حکم میں تردد کرنے والا اور اس کا طالب ہو تو حکم کو کسی تاکید کے ساتھ مضبوط کرنا اچھا ہے اور اگر وہ منکر ہو تو انکار کے مطابق حکم کی

تاکید واجب ہے اور اس طریقہ پر کلام کو لانا مقتضی الظاہر کے مطابق لانا ہے۔

تشریح: مخاطب تین قسم کا ہوتا ہے۔ (۱) اسے نسبت کے وقوع یا عدم وقوع کا علم نہیں ہوتا تو حکم کو تاکید کے ساتھ لانے کی ضرورت نہیں ایسے شخص کے لئے صرف "**زید عالم**" کہنا کافی ہے۔ (۲) اسے حکم میں تردد ہوا اور وہ جاننا چاہتا ہو کہ نسبت واقع ہوئی یا نہیں تو تاکید کے ساتھ حکم لانا اچھا ہے (ضروری نہیں) مثلاً "**ان زیدا عالم**" اور اگر وہ منکر ہو تو تاکید لانا واجب ہے پھر جس درجہ کا منکر ہوگا اسی حساب سے تاکید لائی جائے گی مثلاً "**ان زیدا عالم**" "**واللہ ان زیدا عالم**" "**واللہ ان زیدا لعالم**" یعنی انکار زیادہ تو تاکید بھی زیادہ ہوگی۔

موکدات حکم یعنی جو الفاظ تاکید کے لیے استعمال ہوتے ہیں وہ یہ ہیں:

انّ، لام، جملہ اسمیہ، تکرار جملہ، نون تاکید، اما شرطیہ، حروف تنبیہ، صلہ جیسے **کفی باللہ شھیدا** میں باء۔

**سوال: وکثیرا مایخرج الکلام علی خلافہ ای خلاف مقتضی الظاھر.**

مقتضی حال اور مقتضی ظاہر حال میں نسبت بیان کریں نیز مطول کی روشنی میں کثیراً کے نصب میں دو احتمال ذکر کریں؟

**جواب:** مقتضی حال عام ہے اور مقتضی الظاہر خاص ہے کیونکہ مقتضی ظاہر کا معنی مقتضی ظاہر الحال ہے اور مقتضی الحال مطلق ہے لہذا ہر مقتضی الظاہر مقتضی الحال ہے اور ہر مقتضی الحال، مقتضی ظاہر الحال نہیں۔

مخاطب کی حالت جس انداز کی گفتگو کا تقاضا کرتی ہے اسے مقتضی الحال

کہتے ہیں مثلاً وہ منکر ہے تو کلام موکد مقتضی الحال ہے اور یہ مقتضی الظاہر بھی ہے اور اگر مخاطب سوال نہیں کر رہا لیکن اس کے انداز سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سوال کرنا چاہتا ہے تو یہ مقتضی الحال تو ہے لیکن مقتضی الظاہر نہیں تو ان میں عموم وخصوص کی نسبت ہے۔

کثیرا اما...... کثیرا کے نصب کی دو وجہ ہیں۔(۱) ظرف یعنی **حینا کثیر** ا۔(۲) مصدر یعنی اخراجا کثیر۔ پہلی صورت میں ظرف یعنی حینا کی صفت ہے اور دوسری صورت میں مصدر یعنی اخراجا کی صفت ہے۔

**سوال**: احوال اسناد خبری کی وضاحت کریں اور اس کے احوال بتائیں؟

**جواب**: اسناد خبری کو عارض ہونے والے امور اس اعتبار سے کہ وہ اسناد خبری ہے احوال کہلاتے ہیں۔

مثلاً اسناد کو تاکید کے ساتھ لانا، تاکید کے بغیر لانا، منکر کو غیر منکر اور غیر منکر کو منکر قرار دیتے ہوئے اسی انداز کی اسناد لانا اسناد کو بطور حقیقت یا بطور مجاز لانا۔

**سوال**: اکثر اوقات کلام مقتضائے ظاہر کے خلاف ہوتا ہے اس کی مثال اور وجہ بیان کریں؟

**جواب**: اس کی صورت یہ ہے کہ غیر سائل کو سائل اور غیر منکر کو منکر قرار دے کر کلام کیا جاتا ہے یہ مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے کیونکہ ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سائل یا منکر نہیں تو اس کے ساتھ ایسا کلام کیا جائے جو غیر منکر یا غیر سائل کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

لیکن جب مخاطب کی حالت سے ظاہر ہوتا ہے کہ گویا وہ پوچھنے والا ہے یا انکار کرنے والا ہے تو اس کے ساتھ ایسا کلام کیا جاتا ہے جو منکر یا سائل کے ساتھ ہوتا ہے حالانکہ وہ زبان سے سوال نہیں کرتا یا انکار نہیں کرتا۔

جیسے حضرت نوح علیہ السلام سے فرمایا:

**ولا تخاطبنی فی الذین ظلموا انهم مغرقون**

(ظالموں کے بارے میں مجھ سے وعا نہ کرنا یہ غرق ہونے والے ہیں) گویا جب آپ کو کشتی بنانے کا حکم دیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کو غرق ہونے سے محفوظ کیا جائے گا لیکن یہ تردد تھا کہ ظالم غرق ہوں گے یا نہیں تو ان کے تردد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ غرق ہونے والے ہیں گویا حضرت نوح علیہ السلام کو سائل قرار دے کر یہ بات فرمائی۔

اسی طرح غیر منکر منکر قرار دیا جاتا ہے جیسے حجل بن نعلہ شاعر نے کہا۔

**جاء شقیق عارضا رمحه**

**ان بنی عمک فیهم رماح**

شقیق (نامی شخص) اس طرح آیا کہ اس نے اپنا نیزہ ران پر چوڑائی کی شکل میں رکھا ہوا تھا گویا وہ بے خوف ہے اور اسے اپنے چچازاد بھائیوں سے کوئی ڈر نہیں کیونکہ غفلت میں ہے تو کہا گیا کہ تیرے چچازاد بھائیوں کے پاس نیزے ہیں حالانکہ وہ اس کا منکر نہیں لیکن اس کی حالت بتاتی ہے کہ گویا اسے اس بات سے انکار ہے کہ اس کے چچازاد بھائیوں کے پاس اسلحہ ہے تو یہاں غیر منکر کو منکر قرار دیا اور یہ مقتضائے ظاہر کے خلاف ہے۔

**سوال: ثم الاسناد مطلقا سواء کان خبریا او انشائیا ولذا ذکره بالاسم لئلا یعود الی الاسناد الخبری منه حقیقة عقلیة لم یقل اما حقیقة واما فمجاز لان من الاسناد ما**

**لیس بحقیقۃ ولا مجاز عندہ۔**

(i) عبارت کا ترجمہ وتشریح کریں اور اسناد کی قسم ثالث کی مثال لکھیں؟

(ii) مصنف نے حقیقت اور مجاز کو اسناد کی صفت قرار دیا نہ کہ کلام کی اس کی کیا وجہ ہے نیز جب یہ کلام کی صفت نہیں ہیں تو ان کو علم معانی میں کیوں ذکر کیا جو احوال لفظ کے لئے موضوع ہے؟

(iii) شارح نے الاسناد سے مطلق اسناد مراد لیا حالانکہ احوال الاسناد الخبری میں اسناد معرف باللام ہے اور یہاں بھی معرف باللام ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ معرفہ کا جب اعادہ معرفہ کے ساتھ کیا جائے تو ثانی عین اولی ہوتا ہے لہذا یہاں مطلق اسناد مراد لینا درست نہیں؟

**جواب:** (i) ترجمہ: پھر اسناد مطلقا چاہے خبری ہو یا انشائی اسی لئے اسے اسم ظاہر کے ساتھ ذکر کیا تا کہ ضمیر اسناد خبری کی طرف نہ لوٹے اس (اسناد) میں سے (ایک) حقیقت عقلیہ ہے۔ مصنف نے یہ نہیں کہا کہ حقیقت ہوگی یا مجاز کیوں کہ بعض اسناد نہ حقیقت ہوتی ہیں اور نہ مجاز۔

اس عبارت میں یہ بات بتائی گئی ہے مطلق اسناد خبری ہو یا انشائی اس کی دو قسمیں ہیں حقیقت عقلیہ (اور مجاز عقلی) مصنف نے اس بات کی وضاحت کی کہ اسم ظاہر (الاسناد) اسی لئے لایا گیا کہ یہاں دونوں قسم کی اسناد مراد ہیں اگر ضمیر ہوتی تو اس کا مرجع اسناد خبری ہوتی اور دونوں مراد نہ ہوتیں۔

مصنف علیہ الرحمہ نے ایک اور سوال کا جواب بھی دیا سوال یہ تھا کہ حقیقت عقلیہ اور مجاز عقلی کی بجائے حقیقت اور مجاز کیوں نہیں کہا تو انہوں نے فرمایا اس کی وجہ

یہ ہے کہ اسناد کی صرف دو قسمیں یعنی حقیقت مجاز ہی نہیں بلکہ ایک اور قسم ہے جو حقیقت بھی نہیں اور مجاز بھی نہیں۔

اور اس کی تیسری قسم کی مثال "الحیوان جسم" ہے کیونکہ جب مسند فعل یا معنیٰ فعل نہ ہو تو وہ نہ حقیقت ہوتا ہے اور نہ مجاز۔

(ii) اس سوال کے جواب میں مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ عبدالقاہر اور صاحب مفتاح نے حقیقت اور مجاز کو کلام کی صفت قرار دیا لیکن ہم نے ان دونوں کو اسناد کی صفت قرار دیا۔ اسناد کو حقیقت عقلیہ اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے محل میں ثابت ہوتی ہے اور مجاز عقلی اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے محل سے تجاوز کر جاتی ہے اور اس کا فیصلہ عقل کرتی ہے وضع نہیں کیونکہ ایک کلمہ کی دوسرے کلمہ کی طرف اسناد متکلم کے قصد سے حاصل ہوتی ہے واضع لغت سے نہیں۔

لہذا اسناد عقل کی طرف بلا واسطہ منسوب ہوتی ہے اور کلام اس کی طرف اس اعتبار سے منسوب ہوتا ہے کہ اس کی اسناد اس کی طرف منسوب ہے۔ گویا کلام کی عقل کی طرف نسبت بالواسطہ ہے اور اسناد کی نسبت بلا واسطہ ہے اس لیے مصنف نے اس کو ترجیح دی ہے۔

علم معانی میں ان کا ذکر اس لیے کیا کہ بالواسطہ یہ کلام کی صفت بنتے ہیں اور کلام الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے اور علم معانی احوال لفظ سے بحث کرتی ہے۔

(iii) اس میں کوئی شک نہیں کہ معرفہ کا اعادہ معرفہ کے ساتھ ہو تو ثانی عین اولیٰ ہوتا ہے اور یہاں بھی ثانی عین اولیٰ ہے کیونکہ اسناد خبری جو اسناد ہے وہی الاسناد کے اندر بھی ہے خبریت یا انشائیت زائد صفات ہیں۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ یہاں

اسناد کی حقیقت عقلیہ اور مجاز عقلی کی طرف تقسیم ہو رہی ہے اور یہ تقسیم دونوں قسم کی اسناد میں ہوتی ہے لہذا یہ تقسیم اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں مطلق اسناد مراد ہے جو دونوں قسموں کا شامل ہے۔

**سوال:** صاحب تلخیص المفتاح نے اسناد کی طرف ضمیر راجع کرنے کی بجائے الاسناد کیوں ذکر فرمایا جب کہ اسناد کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے؟

**جواب:** پہلے مطلق اسناد کا ذکر نہیں بلکہ ''الاسناد الخبری'' ذکر کیا گیا اب چونکہ حقیقت عقلیہ اور مجاز عقلی کی تقسیم کا ذکر ہے اور اس کا تعلق اسناد خبری اور اسناد انشائی دونوں سے ہے اس لئے دوبارہ الاسناد کہا۔ ضمیر لانے کی صورت میں صرف اسناد خبری مراد ہوتی۔

**سوال:** مصنف نے حقیقت عقلیہ اور مجاز عقلی کی بحث کو علم بیان میں کیوں ذکر نہیں کیا جس طرح صاحب مفتاح اور ان کے متبعین نے کیا؟

**جواب:** مصنف کے خیال میں یہ بحث علم معانی کی تعریف میں داخل ہے بیان کی تعریف میں نہیں گویا مصنف کا یہ گمان اس بات پر مبنی ہے کہ یہ بحث ان احوال میں سے ہے جو معانی کی تعریف میں ذکر کئے گئے ہیں جیسے تاکید اور موکدات سے خالی ہونا۔

**سوال:** صاحب تلخیص المفتاح نے اسناد کی تقسیم لفظ اما کی بجائے لفظ منہ سے فرمائی اس کی وجہ بیان کریں؟

**جواب:** اگر اما حقیقیہ واما مجازا کہتے تو معلوم ہوتا ہے کہ اسناد صرف حقیقت یا مجاز ہوتی ہے حالانکہ مصنف کے نزدیک بعض اسناد نہ حقیقت ہیں نہ مجاز تو منہ فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ اسناد میں یہ دو بھی ہیں صرف دو ہی نہیں۔

**سوال:** مصنف نے ''فیہ نظر'' سے فرما کر کس بات پر اعتراض کیا ہے؟

**جواب:** انہوں نے حقیقت عقلیہ اور مجاز عقلی کی بحث کو علم معانی میں داخل کرنے کی دلیل پر اعتراض کیا اور فرمایا یہ بات محل نظر ہے کیونکہ علم معانی ان احوال مذکورہ سے اس حیثیت سے بحث کرتا ہے کہ ان کے ذریعے لفظ مقتضی الحال کے مطابق ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے حقیقت عقلیہ اور مجاز عقلی کی بحث اس حیثیت سے نہیں ہوتی چاہے وہ عقلی ہو یا لغوی۔

لہذا یہ علم معانی میں داخل نہیں ورنہ حقیقت و مجاز لغوی بھی مسند الیہ اور مسند کے احوال میں سے ہیں۔

**سوال:** اسناد کی دو قسموں یعنی حقیقت عقلیہ اور مجاز عقلی کی وضاحت کریں اور مثالیں ذکر کریں؟ نیز صرف حقیقت اور مجاز نہ کہنے کی وجہ کیا ہے؟

**جواب:** حقیقت و مجاز کی بجائے حقیقت عقلیہ اور مجاز عقلی اس لیے کہا کہ مصنف کے نزدیک بعض اسناد حقیقت بھی نہیں اور مجاز بھی نہیں مثلاً جب مسند فعل یا معنی فعل نہ ہو جیسے "الحیوان جسم" گویا بعض اسناد حقیقت اور بعض مجاز ہیں اور بعض نہ حقیقت ہیں اور نہ ہی مجاز۔ حقیقت عقلیہ کی تعریف اس طرح ہے۔

**اسناد الفعل او معناہ الی ما ھو لہ عند المتکلم فی الظاھر۔**

فعل یا معنی فعل کی اسناد اس کی طرف کرنا جس کا وہ فعل ہے متکلم کے نزدیک ظاہر میں جیسے مومن کہے "**انبت اللہ البقل**" اللہ تعالیٰ نے سبزی کو اگایا۔

اور جاہل کا قول " **انبت الربیع البقل** " موسم ربیع نے سبزی کو اگایا (حقیقت عقلیہ ہے) کیونکہ جاہل (دھریہ) کے نزدیک اگانے کا فاعل موسم ربیع ہے

(اگرچہ فی الواقع ایسا نہیں)

**سوال:** معنیٔ فعل سے کیا مراد ہے؟

**جواب:** اسم فاعل، اسم مفعول، صفت مشبہ، اسم تفضیل اور ظرف فعل کے معنیٰ میں ہیں اسی لئے ان کو شبہ فعل کہا جاتا ہے۔

**سوال:** اسناد فعل یا معنیٔ فعل کی قید کی ذریعے کس سے احتراز کیا گیا؟

**جواب:** اس کے ذریعے اس اسناد سے احتراز کیا گیا جس میں مسند فعل یا معنیٔ فعل نہ ہو جیسے "الحیوان جسم"۔

**سوال:** صاحب مفتاح نے حقیقت عقلیہ کی کیا تعریف کی ہے اور مصنف نے اس سے عدول کیوں کیا ہے؟

**جواب:** صاحب مفتاح نے حقیقت عقلیہ کی تعریف اس طرح کی ہے ان **الحقیقۃ العقلیۃ ھی الکلام المفاد بہ ما عند المتکلم من الحکم فیہ۔**

حقیقت عقلیہ وہ کلام ہے جس کے ذریعے اس حکم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جو متکلم کے نزدیک ہے۔

مصنف نے اس سے عدول اس لیے کیا کہ:

(۱) صاحب مفتاح نے اسے کلام کی صفت بنایا اور مصنف نے اسناد کی صفت قرار دیا۔

(۲) یہ تعریف دخول غیر سے مانع نہیں کیونکہ یہ تعریف اس پر بھی صادق آتی ہے جس میں مسند فعل یا معنیٔ فعل نہیں جیسے "الانسان جسم" حالانکہ یہ نہ حقیقت ہے اور نہ ہی مجاز۔

(۳) یہ غیر منعکس ہے کیونکہ یہ تعریف اس پر بھی صادق آتی ہے جو متکلم کے اعتقاد کے

مطابق نہیں واقع کے مطابق ہو یا نہ کیونکہ انہوں نے فی الظاہر کی قید کو ترک کر دیا۔

مجاز عقلی کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

**هو اسناد الفعل او معناه الى ملابس له غير ما هو له۔**

فعل یا معنی فعل کی اسناد اس کے ملابس کی طرف ہو اس کی طرف نہ ہو جس کا وہ فعل یا معنی فعل ہے۔ ملابس سے مراد فاعل، مفعول، مصدر (مفعول مطلق) سبب زمان اور مکان ہے۔

جب مسلمان **انبت الربیع البقل** کہتا ہے تو یہ اسناد مجاز عقلی ہے کیونکہ انبات کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اگر فعل کی اسناد فاعل یا مفعول بہ (مفعول مالم یسم فاعلہ) کی طرف ہو جب مبنی للفاعل یا مبنی للمفعول ہو تو یہ اسناد حقیقی ہے اور جب فاعل و مفعول کے غیر کی طرف ہو تو وہ مجازی ہے۔

**سوال**: قرآن مجید میں مجاز عقلی کا استعمال ہوا ہے یا نہیں اگر ہوا تو اس کی کوئی تین مثالیں ذکر کریں؟

**جواب**: قرآن مجید میں مجاز عقلی کا استعمال کثرت سے ہوا مثلاً **یذبح ابناءھم** (وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا تھا) یہاں ذبح کی نسبت فرعون کی طرف ہے حالانکہ ذبح کا فاعل اس کے کارندے تھے دوسری مثال **واخرجت الارض اثقالها** (زمین اپنے بوجھ (خزانے) نکالے گی) حالانکہ نکالنا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔

تیسری مثال **ینزع عنهما لباسهما** (وہ شیطان ان دونوں یعنی حضرت آدم اور حضرت حواء علیہما السلام کا لباس اتارتا تھا) یہاں شیطان کی طرف نسبت

مجاز عقلی ہے حقیقت میں اتارنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

چوتھی مثال "**یا هامان ابن لی صرحا**" (اے ہامان میرے لیے بلند محل بناؤ) حالانکہ محل عملہ نے بنانا تھا ہامان اس کا سبب تھا۔

**سوال**: مجاز عقلی کے دیگر نام کیا ہیں اور اس کی چار اقسام بھی ذکر کریں؟

**جواب**: مجاز عقلی کو مجاز حکمی بھی کہتے ہیں ہیں مجاز فی الاثبات بھی اور اسناد مجازی بھی کہا جاتا ہے۔

مجاز عقلی کی چار قسمیں ہیں۔ کیونکہ اس کی دونوں طرفیں یعنی مسند اور مسند الیہ یا تو حقیقی وضعی (لغوی) ہوں گی جیسے **انبت الربیع البقل**۔ (انبات بھی حقیقت ہے اور ربیع بھی) یا دونوں مجازی وضعی ہوں گی جیسے **احیی الارض شباب الزمان** زمین کا زندہ کرنا بھی مجاز ہے کیونکہ زندگی حرکت کا نام ہے جو زمین میں نہیں اور شباب الزمان بھی مجاز ہے کیونکہ زمانے میں شباب نہیں ہوتا۔ یا مختلف ہوں گی جیسے **انبت البقل شباب الزمان**۔ یہاں مسند (انبت) حقیقت اور مسند الیہ (شباب الزماں) مجاز ہے اور **احیی الارض الربیع**۔ اس میں مسند (احیی) مجاز اور مسند الیہ (الربیع) حقیقت ہے۔

**سوال**: مجاز عقلی کے لئے قرینہ صارفہ ضروری ہے اس کی وضاحت کریں اور اس کی اقسام مع امثلہ بیان کریں؟

**جواب**: قرینہ صارفہ سے مراد ایسا قرینہ ہے جس سے معلوم ہو کہ یہاں حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ مجازی معنیٰ مراد ہے یعنی ایسا قرینہ جو کلام کو ظاہر سے پھیر دے اگر قرینہ نہ ہو تو حقیقت مراد ہوگی۔

مثلاً " افناہ " (اس نے فنا کیا) تو یہاں اللہ تعالیٰ کی ذات مراد ہے۔

قرینہ صارفہ کی دو قسمیں ہیں۔(۱) قرینہ لفظیہ (۲) قرینہ معنویہ۔

قرینہ لفظیہ وہ قرینہ ہے جو کلام کے ظاہری معنی کے ارادے سے پھیر دے۔

قرینہ معنویہ: جب مذکور مسند کا مذکور مسند الیہ کے ساتھ قیام عقلاً محال ہو تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں حقیقتاً مسند الیہ کوئی اور ہے۔

جیسے **محبتک جاء ت بی الیک** ۔تیری محبت مجھے تیرے پاس لے آئی۔

عقلاً محبت کا کسی کو لانا محال ہے تو یہاں سبب کی طرف نسبت ہے اور وہ محبت ہے۔مومن کا عقیدہ بھی اس بات کا قرینہ معنویہ ہے کہ یہاں مجاز عقلی مراد ہے مثلاً جب موحد کہے **اشاب الصغیر وافنی الکبیر کر الغداۃ ومر العشی**۔ صبح اور شام کے آنے جانے نے بچے کو جوان اور بوڑھے کو فنا کر دیا تو مومن کا عقیدہ اس بات کا قرینہ ہے کہ یہاں فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے زمانہ نہیں۔

**سوال:** وہ فاعل اور مفعول جس کی طرف اسناد حقیقی ہوتی ہے اس کی پہچان کی کیا صورت ہے؟

**جواب:** مجاز عقلی میں فعل کے لیے فاعل یا مفعول (نائب فاعل) کا ہونا ضروری ہے کہ جب اس کی طرف اسناد ہو تو وہ حقیقی ہو گی کیونکہ مجاز عقلی میں " **غیر ما ھو لہ** " کی طرف اسناد ہوتی ہے اور اس کا ما ھو لہ یعنی جس کا فعل ہے وہ فاعل یا مفعول بہ (نائب فاعل) حقیقی ہو گا۔اس فاعل یا مفعول کی پہچان دو طرح ہوتی ہے یا تو ظاہر ہو گی جیسے ارشاد خداوندی ہے:

**فما ربحت تجارتھم** ۔پس ان کی تجارت نفع بخش نہ ہوئی۔

تو یہاں حقیقی فاعل تاجر ہیں یعنی "**فما ربحوا فی تجارتھم**" تو یہاں یہ بات واضح ہے کہ نفع کا فاعل تجارت نہین بلکہ تاجر ہیں یا خفیہ (پوشیدہ) ہوگی اور جب تک غور وفکر اور تامل نہ کیا جائے وہ ظاہر نہیں ہوتی۔اس کی کئی مثالیں ہیں ایک مثال یہ ہے "**سرتنی رویتک**" مجھے تیرے دیدار نے خوش کر دیا یعنی اللہ تعالٰی نے تیرے دیدار کے وقت مجھے خوش کر دیا۔اگر اس سے مراد یہ ہو کہ رویت (دیدار) سرور کا موجب ہے تو یہ حقیقت ہوگی اور اگر مراد یہ ہو کہ رویت کے وقت سرور حاصل ہوا تو یہ مجازی معنٰی ہوگا تو جب تک غور وفکر نہ ہو بات واضح نہ ہوگی۔

سوال: **وانکرہ ای المجاز العقلی السکاکی وقال الذی عندی نظمہ فی سلک الاستعارۃ بالکنایہ۔**

عبارت کی تشریح کریں اور استعارہ کی تعریف اور اقسام مع امثلہ بیان کریں؟

جواب: استعارہ کی کئی قسمیں ہیں۔(۱) استعارہ بالکنایہ۔(۲) استعارہ تخییلیہ۔(۳) استعارہ ترشیحیہ مثلاً

**ویکشف عن وجوہ الاعجاز فی نظم القرآن استارھا۔**

اس (علم بلاغت) کے ذریعے نظم قرآن میں وجوہ اعجاز سے ان کے پردوں کو کھولا جاتا ہے۔

اعجاز کو اچھی صورتوں سے تشبیہ دینا استعارہ بالکنایہ ہے وجوہ کا اثبات

استعارہ تخیلیہ ہے اور پردوں کا ذکر استعارہ ترشیحیہ ہے۔ استعارہ بالکنایہ کو استعارہ مکنیہ بھی کہتے ہیں۔ مشبہ بہ کے خواص کو مشبہ کے لئے ثابت کیا جائے تو یہ استعارہ تخیلیہ ہے جیسے موت کے لئے پنجہ ثابت کرنا اور استعارہ ترشیحیہ یہ ہے کہ مشبہ کے لئے مشبہ بہ کے لوازم ثابت کیے جائیں مثلاً موت جسے درندے سے تشبیہ دی گئی اس نے فلاں کو ہلاک کر دیا تو ہلاک کرنا درندگی کو لازم ہے اور یہ مشبہ یعنی موت کے لئے ثابت کرنا استعارہ ترشیحیہ ہوگا۔

امام سکا کی نے مجاز عقلی کا انکار کیا اور کہا کہ میرے نزدیک یہ استعارہ بالکنایہ کی لڑی میں پرویا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ جسے دیگر حضرات مجاز عقلی کہتے ہیں سکا کی اسے استعارہ بالکنایہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

استعارہ بالکنایہ یہ ہے کہ مشبہ کا ذکر کر کے قرینہ کی وجہ سے مشبہ بہ مراد لیا جائے جیسے موت کو درندے سے تشبیہ دے کر صرف موت کا ذکر کیا جائے اور درندے کے لوازمات کی موت کی طرف اضافت کی جائے جیسے کہا جاتا ہے۔

"**مخالب المنیہ تشبث بفلان**" موت نے فلاں میں پنجے گاڑ دیئے حالانکہ پنجے درندے کے ہوتے ہیں لیکن جب موت کو درندے سے تشبیہ دی تو پنجے اور ان کا گاڑنا موت کے لیے ثابت کیا اور اسے استعارہ بالکنایہ کہا گیا۔

**سوال**: امام سکا کی کے نظریہ کو فی نظر کہہ کر مصنف نے رد کیا اس کی تفصیل بتایئے؟

**جواب**: چونکہ امام سکا کی نے مجاز عقلی کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ "**انبت الربیع البقل**" میں ربیع سے مراد انبات کا فاعل حقیقی ہے۔

تو مصنف فرماتے ہیں اس طرح لازم آئے گا "**فی عیشۃ**

راضیہ" میں عیشہ کا فاعل مراد ہو کیونکہ معنیٰ یہ ہوگا کہ **"ھو فی صاحب عیشہ"** اسی طرح یہ بھی لازم آئے گا کہ جہاں فاعل مجازی کی اضافت فاعل حقیقی کی طرف ہو رہی ہے وہ اضافت صحیح نہ ہو۔

جیسے **"نہارہ صائم"** کیونکہ نہار سے مراد صاحب النھار ہوگا اور صاحب نہار کی اضافت ضمیر کی طرف ہوگی اور یوں اضافۃ الشی الی نفسہ لازم آئے گی۔

سکا کی کے قول پر یہ خرابی بھی لازم آئے گی کہ **"یا ھامان ابن لی صرحا"** میں حکم ہامان کو نہ ہو بلکہ اس کے عملہ کو ہو کیونکہ حقیقی فاعل تو وہی ہے اسی طرح دیگر کئی خرابیاں لازم آتی ہیں۔

جہاں تک قرآن مجید میں مجاز عقلی کے وجود کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بے شمار مقامات ہیں مثلاً

**واذا تلیت آیاتہ زادتھم ایمانا**۔ یہاں زادت کا فاعل آیات مجاز عقلی ہے۔

**یذبح ابناء ھم**۔ یہاں فرعون ذبح کا فاعل بطور مجاز عقلی ہے۔

**یوما یجعل الولدان شیبا**۔ یہاں یجعل کا فاعل یوم مجاز عقلی کے طور پر ہے۔

**واخرجت الارض اثقالھا**۔ یہاں اخرجت کا فاعل الارض مجاز عقلی کے طور پر ہے۔

# احوال مسند الیہ

**سوال**: احوال مسند الیہ سے کیا مراد ہے۔ اور وہ احوال کون کون سے ہیں؟

**جواب**: احوال مسند الیہ سے مراد وہ امور ہیں جو مسند الیہ کو اس لئے پیش آتے ہیں کہ وہ مسند الیہ ہے۔ اور یہ احوال درج ذیل ہیں۔

مسند الیہ کو حذف کرنا، اسے ذکر کرنا، اسے معرفہ لانا، نکرہ لانا، اس کی صفت لانا، تاکید لانا، تخصیص لانا، مسند الیہ کے ساتھ عطف بیان لانا، مسند الیہ کا بدل ذکر کرنا، مسند الیہ کا معطوف لانا، مسند الیہ کے بعد ضمیر فصل کا لانا، مسند الیہ کو مسند پر مقدم کرنا

نوٹ: مثالیں ہر ایک کے ساتھ بیان ہوں گی (انشاء اللہ)

**سوال**: مسند الیہ کو حذف کیوں کیا جاتا ہے؟

**جواب**: مسند الیہ کو درج ذیل وجوہ کی بنیاد پر حذف کیا جاتا ہے۔

(ا) عبث سے بچنا:

جب قرینہ مسند الیہ پر دلالت کرتا ہو تو مسند الیہ کو ذکر کرنا عبث ہوتا ہے لہذا عبث سے بچنے کے لیے مسند الیہ کو حذف کیا جاتا ہے۔ اور یہ عبث ظاہر کے مطابق ہوتا ہے ورنہ مسند الیہ کلام کا رکن اعظم ہے تو اس کو ذکر کرنا کیسے عبث ہو سکتا ہے۔

(ب) زیادہ قوی دلیل کی طرف عدول:

مسند الیہ کی دو دلیلیں ہیں ایک لفظ کی دلالت دوسری عقل کی دلالت جب مسند الیہ کو ذکر کیا جائے تو ظاہر کے اعتبار سے دلالت لفظی پائی جاتی ہے اور اگر حذف کیا جائے دلالت عقلی پائی جاتی ہے یعنی عقل سے معلوم کیا جاتا ہے کہ مسند الیہ کون ہے اور

عقل کی دلالت زیادہ قوی ہے کیونکہ وہ مستقل دلالت ہے اور جب مسندالیہ کو حذف کیا تو یہ خیال ہوگا کہ کمزور دلیل سے زیادہ قوی دلیل کی طرف عدول کیا گیا ہے۔

جیسے **قال لی کیف انت قلت علیل** ۔اس نے مجھ سے پوچھا تم کیسے ہو؟ میں نے کہا بیمار ہوں۔ یہاں انا مسندالیہ کو حذف کر دیا کیونکہ سوال میں اس پر دلالت موجود ہے کہ یہاں مسندالیہ کیا ہے اور وہ لفظ "لی" ہے گویا جس سے اس کی حالت پوچھی جارہی ہے اسی کی بیماری کا ذکر ہے اور وہ متکلم ہے۔

(ج) مخاطب کی ذہانت کا امتحان:

مسندالیہ کو حذف کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ مخاطب کا امتحان لیا جاتا ہے کہ آیا وہ پوشیدہ قرائن کی وجہ سے اس بات سے آگاہ ہوجاتا ہے کہ مسندالیہ کون ہے یا آگاہ نہیں ہوتا۔

(د) مسندالیہ کی حفاظت کا اشارہ:

بعض اوقات مسندالیہ کی تعظیم کی وجہ سے اس کو اپنی زبان سے محفوظ رکھنا مقصود ہوتا ہے یا مسند کی اہانت اور تحقیر کی وجہ سے اسے زبان پر نہیں لایا جاتا اور یوں اسے حذف کیا جاتا ہے۔

(ہ) ضرورت کے وقت انکار کیا جاسکے:

مثلاً متکلم کہتا ہے فاسق فاجر تو وہ مسند کا ذکر کرتا ہے لیکن مسندالیہ یعنی زید کا ذکر نہیں کرتا تاکہ بوقت ضرورت وہ کہہ سکے کہ میری مراد زید نہیں ہے اس کے علاوہ دیگر کئی مقاصد کے تحت مسندالیہ کو حذف کیا جاتا ہے۔

**سوال:** مسندالیہ کو ذکر کرنے کی وجوہ بتائیں؟

**جواب:** مسند الیہ کو ذکر کرنے کی چند وجوہ حسب ذیل ہیں:

(۱) ذکر اصل ہے اور اس سے عدول کا کوئی مقتضی نہیں۔

(۲) حذف کے قرینہ پر اعتماد کمزور ہونے کی وجہ سے مسند الیہ کو احتیاطاً ذکر کیا جاتا ہے۔

(۳) سامع کے غبی ہونے پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے۔

(۴) زیادہ وضاحت اور بات کو پکا کرنے کے لئے مسند الیہ کو ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں **و اولئک هم المفلحون**۔

پہلے **اولئک علی هدی من ربهم** فرمایا اب دوبارہ اسم اشارہ اولئک ذکر کیا یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ جس طرح ان لوگوں (متقین) کے لیے دنیا میں ہدایت ثابت ہے اسی طرح ان کے لیے آخرت میں فلاح بھی ثابت ہے۔ تو دونوں نتائج (ہدایت اور فلاح) کے لئے مسند الیہ (اولئک) کو مستقلاً ذکر کیا تاکہ یہ دیگر لوگوں سے ممتاز ہو جائیں۔

(۵) مسند الیہ کی تعظیم کو ظاہر کرنے کے لیے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۶) مسند الیہ کی اہانت کو واضح کرنے کے لیے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۷) مسند الیہ کے ذکر سے برکت حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔

(۸) مسند کے ذکر سے لذت حاصل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔

(۹) مسند الیہ کا ذکر کلام کو طویل کرنے کے لئے ہوتا ہے جب سامع کی توجہ مبذول کرانا مقصود ہو۔

جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھا **وما تلک بیمینک**۔ آپ نے فرمایا **هی عصای اتو کو بها واهش بها علی**

غنمی ولی فیھا مآرب اخری۔ یہ میرا عصا ہے اس کا سہارا لیتا ہوں اس کی ذریعے بکریوں کے لئے پتے گراتا ہوں اور اس میں میرے لیے بہت سے کام ہیں۔ تو یہاں "ھی" ضمیر مسند الیہ کو اس لیے ذکر کیا کہ طویل کلام مقصود تھا۔

**سوال:** مسند الیہ کو معرفہ کیوں لایا جاتا ہے نیز مسند الیہ کی بحث میں معرفہ کو نکرہ پر مقدم کیا گیا اور مسند کی بحث میں اس کے برعکس ایسا کیوں کیا گیا؟

**جواب:** مسند الیہ کو معرفہ لانے میں مخاطب کو زیادہ مکمل فائدہ دیا جاتا ہے کیونکہ خبر دینے کی غرض مخاطب کو حکم یا لازم حکم کا فائدہ دینا ہوتا ہے اور لازم حکم بھی حکم ہوتا ہے (اسے فائدہ خبر یا لازم خبر اور لازم فائدہ خبر کہا گیا ہے) مسند الیہ کی بحث میں تعریف کی بحث کو تنکیر کی بحث پر مقدم اس لیے کیا گیا کہ مسند الیہ میں اصل تعریف ہے اور مسند میں اس کے برعکس ہوتا ہے کیونکہ اس میں اصل نکرہ ہے جب مسند اسم ہو ورنہ مسند فعل بھی ہوتا ہے۔

**سوال:** مسند الیہ کو کن کن طریقوں سے معرفہ لایا جاتا ہے؟

**جواب:** مسند الیہ کو مختلف طریقوں سے معرفہ لایا جاتا ہے کیونکہ ان کے ساتھ مختلف اغراض متعلق ہوتی ہیں۔ وہ طریقے اور صورتیں یہ ہیں:

(۱) ضمیروں کے ساتھ (۲) علمیت کے ساتھ (۳) اسمائے موصولہ کے ساتھ (۴) اسمائے اشارہ کے ساتھ (۵) الف لام کے ساتھ (۶) اضافت کی ساتھ۔

**سوال:** مسند الیہ کو ضمائر کے ساتھ معرفہ لانے کی وجہ ذکر کریں؟

**جواب:** ضمیر کی ساتھ مسند الیہ کو معرفہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ اعرف المعارف ہے کیونکہ مقام تکلم خطاب اور غیبت کا ہوتا ہے اور خطاب کی اصل یہ ہے کہ وہ معین کے

ساتھ ہو اور بعض اوقات غیر معین کو بھی خطاب ہوتا ہے تاکہ اس میں عموم ہو جیسے **ولو تری اذا المجرمون ناکسوا رء وسہم۔**

یہاں خطاب کسی معین شخص کو نہیں بلکہ اس میں عموم ہے اور کوئی معین مخاطب نہیں۔

**سوال:** مسندالیہ کو بصورت عَلَم، معرفہ کیوں لایا جاتا ہے؟

**جواب:** مسندالیہ کو بصورت عَلَم معرفہ لانے کی وجوہ یہ ہیں۔

(۱) مسندالیہ کو اس کے ذاتی نام کے ساتھ سامع کے ذہن میں ابتداء حاضر کرنا مقصود ہوتا ہے کیونکہ اسم جنس کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا جیسے **جاء زید وھو راکب۔**

(۲) مسندالیہ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے جب عَلَم اچھے لقب سے ہو تو مدح کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(۳) اس کی توہین مقصود ہوتی ہے جب اس کا عَلَم برے لقب سے ہو۔

دونوں کی مثال **رکب علی** ۔لفظ علی، علو (بلندی) سے مشتق ہے۔

**ھرب الخارجی** خارجی، خرج سے بنا یعنی دین سے نکل گیا۔

(۴) ایسے معنیٰ سے کنایہ جو اس مسندالیہ کے لیے صلاحیت رکھتا ہو جیسے **ابو لھب فعل کذا۔** ابولھب کا معنیٰ جہنمی ہے اور یہ شخص ابولھب اسی لائق تھا۔

(۵) علم کے ذریعے لذت حاصل کرنے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو جیسے "**محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق**"آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی سے لذت حاصل کرنا مقصود ہے۔ ورنہ **رسولنا صادق** بھی کہا جاسکتا تھا۔

(۶) مسندالیہ کے علم سے برکت حاصل کرنا جیسے **علی بن عثمان**

**الہجویری مخدو م الاولیاء**۔ اس کے علاوہ کئی دیگر مقاصد ہیں۔

**سوال**: مسند الیہ کو موصولیت کے ساتھ معرفہ لانے کی وجہ کیا ہے؟

**جواب**: مسند الیہ کو اسم موصول کے ساتھ معرفہ لانے کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) وہ احوال جو مسند الیہ کے ساتھ خاص ہیں مخاطب کو ان کا علم صلہ کے بغیر حاصل نہیں ہوتا جس طرح کہا جاتا ہے **الذی کان معنا امس رجل عالم**۔ وہ شخص جو کل ہمارے ساتھ تھا وہ عالم شخص ہے۔ یہاں **کان معنا** صلہ ہے۔

(۲) مسند الیہ کا نام واضح طور پر ذکر کرنے سے نفرت ہوتی ہے۔

(۳) جس غرض کے لیے کلام کو چلایا گیا اسے اسم موصول کے ذریعے پکا کیا جاتا ہے مثلاً **وراودته التی هو فی بیتها عن نفسه**۔

اگر التی (اسم موصول) کی جگہ امرأة العزیز یا زلیخا کہا جاتا ہے تو اس کلام کی غرض یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی کا بیان زیادہ مضبوط نہ ہوتا لیکن جب کہا کہ حضرت یوسف علیہ السلام جس خاتون کے گھر میں تھے اس نے آپ کو مائل کرنے کی کوشش کی تو اس سے معلوم ہوا کہ اسے آپ کو قابو کرنے کی قوت حاصل تھی اس کے باوجود حضرت یوسف علیہ السلام نے اس سے اپنا دامن بچایا تو یہ آپ کی انتہائی درجہ کی پاکیزگی تھی۔

(۳) مسند الیہ کی شان کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے اسم موصول لایا جاتا ہے جیسے **فغشیهم من الیم ما غشیهم**۔

یہاں **ما غشیهم** فرما کر بتلایا کہ وہ ڈھانپنے والی چیز بڑی عظمت والی ہے

(۴) مخاطب کو خطاء پر آگاہ کرنے کے لیے اسم موصول لایا جاتا ہے۔ عبدہ ابن

الطیب نے اپنے قصیدہ میں جس میں وہ اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتا ہے کہا ہے:

**ان الذین ترونھم اخوانکم**

**یشفی غلیل صدورھم ان تصرعوا**

تم جن لوگوں کو اپنے خیال کرتے ہو تمہاری ہلاکت ان کے دلوں کی سوزش کو شفا دیتی ہے۔

یعنی جن لوگوں کو تم اپنا محب سمجھتے ہو وہ تمہاری ہلاکت پر خوش ہوتے ہیں چونکہ یہاں صلہ کے ذریعے بات سمجھانا تھا اس لئے اسم موصول لایا گیا۔

(۵) مسند الیہ کو موصولیت کے ساتھ معرفہ لانے کی ایک وجہ بنائے خبر کی طرف اشارہ کرنا ہے۔

جیسے **ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جہنم داخرین۔**

یہاں سیدخلون خبر ہے اور اس کی وجہ ان لوگوں کا عبادت سے تکبر کرنا ہے اگر یہاں عَلَم ہوتا تو یہ معلوم نہ ہوتا کہ وہ جہنم میں کس وجہ سے داخل ہوئے۔

بعض اوقات یہ طریقہ خبر کی تعظیم شان کے بیان کا ذریعہ بھی بنتا ہے جیسے فرزدق شاعر نے کہا:

**ان الذی سمک السماء بنی لنا بیتا**

**دعائمہ اعز و اطول من دعائم کل بیت**

وہ ذات جس نے آسمان کو بلند کیا اس نے ہمارے لیے ایک گھر (بیت اللہ شریف) بنایا جس کے ستون ہر گھر کے ستونوں سے زیادہ عزت والے اور لمبے ہیں۔

تو یہاں الذی سمک (وہ جس نے بلند کیا) کہہ کر خبر کی شان بتائی یعنی بیت اللہ شریف کا بنانا۔

بعض اوقات موصولیت غیر خبر کی عظمت شان کو ظاہر کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ جیسے:

**ان الذین کذبوا شعیبا کانوا ھم الخاسرین۔**

یہاں جھٹلانے والوں کے خسارے کی خبر کے ذریعے حضرت شعیب علیہ السلام کی عظمت شان کو بیان فرمایا اگرچہ اسم موصول کے ذریعے ان لوگوں کی ذلت بھی واضح ہورہی ہے اور وہ اللہ کے نبی کو جھٹلانا ہے۔

**سوال:** مسند الیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ معرفہ لانے کی کیا وجوہ ہیں؟

**جواب:** مسند الیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ معرفہ لانے کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) مسند الیہ کو مکمل طور پر ممتاز کرنا جیسے ابن الرومی نے کہا

**ھذا ابو الصقر فردا فی محاسنہ**
**من نسل شیبان بین الضال و السلم**

یہ ابوالصقر ہے جو اپنی خوبیوں میں یکتا ہے وہ ضال اور سلم نامی درختوں کے درمیان شیبان کی نسل سے ہے۔

یہاں ابوالصقر ذکر کرنے سے بھی امتیاز ہوسکتا تھا لیکن اسم اشارہ کے ذریعے مکمل طور پر امتیاز بیان کیا۔

(۲) سامع کے غبی ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے مسند الیہ کو اشارہ کے ساتھ معرفہ لایا جاتا ہے جیسے فرزدق نے کہا ہے:

اولئک آبائی فجئنی بمثلہم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یہ میرے آباؤ اجداد ہیں پس تو ان کی مثل لا اے جریر جب تو ہمیں عرب کے اجتماعات میں اکٹھا کرے۔

اس سے پہلے فرزدق نے اپنے آباؤ اجداد کی خوبیاں بیان کیں اور پھر چیلنج کیا تو اسم اشارہ لاکر بتایا کہ سامع غبی ہے وہ غیر محسوس کو نہیں سمجھتا۔

(۳) مسند الیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ معرفہ لانے کی ایک وجہ اس کا حال بیان کرنا ہے کہ وہ قریب ہے یا دور یا درمیان میں۔ جیسے **ھذا زید ضرب عمرا** - یہ زید ہے جس نے عمرو کو مارا۔ تو زید کا قریب ہونا بتایا۔

(۴) مسند الیہ کی تحقیر مقصود ہوتی ہے یعنی قریب کا اشارہ اس مقصد کے لیے ذکر کیا جاتا ہے جیسے مشرکین نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں کہا اور اسے قرآن مجید میں نقل کیا گیا:

**اھذا الذی یذکر الھتکم** - کیا یہ شخص ہے جو تمہارے خداؤں کا ذکر کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے قریب نہ تھے لیکن انہوں نے (معاذ اللہ) آپ کو حقیر قرار دیتے ہوئے قریب کا اسم اشارہ استعمال کیا۔

(۵) اسم اشارہ بعید کے ذریعے مسند الیہ کی عظمت بیان کی جاتی ہے۔

**الم ذلک الکتاب** -

کتاب کے قریب ہونے کے باوجود ذلک (اشارہ بعید) ذکر کے قریب

قرآن مجید کی عظمت کو بیان کیا گیا۔

(٦) کبھی اشارہ بعید لا کر کسی تحقیر کی جاتی ہے جیسے کہا جاتا ہے۔

**ذلک اللعین فعل کذا**

اُس لعین نے اس طرح کیا۔اس کی حقارت کے لیے بعید کا اشارہ استعمال کیا۔

(٧) کبھی مسند الیہ کو اسم اشارہ کے ساتھ معرفہ لانے کے ذریعے اس بات پر تنبیہ مقصود ہوتی ہے کہ مشار الیہ ان اوصاف کا مستحق ہے جو اس کے بعد لائے گئے۔

جب **اولئک علی ھدی من ربھم** میں اسم اشارہ کا مشار الیہ وہ لوگ ہیں جن کا ذکر **الذین یومنون بالغیب** میں ہے اس کے بعد کچھ صفات بیان کی گئیں پھر اولئک لا کر بتایا گیا کہ جن لوگوں میں یہ صفات پائی جاتی ہیں وہ ان صفات کی وجہ سے ھدایت یافتہ ہیں۔

**سوال:** مسند الیہ کو لام تعریف کے ساتھ معرفہ لانے کی کیا وجوہ ہیں؟

**جواب:** جب الف لام عہد کا ہو تو معہود کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہوتا ہے اس لئے مسند الیہ کو الف لام کے ساتھ معرفہ لایا جاتا ہے۔جیسے:

**لیس الذکر کا لانثی۔**

یعنی وہ لڑکا جس کی طلب حضرت عمران کی بیوی نے کی تھی وہ اس لڑکی یعنی حضرت مریم علیہا السلام جیسا نہیں تو ''الذکر'' پر الف لام اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے وہ بچہ مراد ہے جو حضرت عمران کی بیوی کے ذہن میں تھا یہ عہد ذہنی ہے۔

(٢) کبھی نفس حقیقت کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے یعنی مخصوص افراد مراد نہیں ہوتے

جیسے " **الرجل خیر من المراۃ** "یعنی حقیقت رجل، حقیقت امرأۃ سے بہتر ہے خاص مرد یا خاص عورت مراد نہیں۔

(۳) کبھی لام حقیقت کسی ایک فرد کے لیے آتی ہے جیسے **ادخل السوق** (بازار میں داخل ہو جا) تو یہاں لام عہد نہیں یعنی کوئی خاص بازار مراد نہیں بلکہ کوئی ایک بازار مراد ہے اور یہ معرفہ معنوی اعتبار سے نکرہ ہوتا ہے۔

(۴) کبھی معرف باللام استغراق کا فائدہ دیتا ہے جیسے **ان الانسان لفی خسر** (بے شک انسان خسارے میں ہے) یہاں تمام انسان مراد ہیں اس کی دلیل اس کے بعد **الا الذین امنوا** (آخر تک) مستثنیٰ ہے یعنی تمام انسانوں میں سے ان صفات والے انسانوں کو مستثنیٰ کیا گیا۔

**سوال** : مندرجہ ذیل عبارت پر اعراب لگائیں اور الف لام کی اقسام کی تشریح کریں؟

**وقد یفید الاستغراق ......................نحو الانسان لفی خسر۔**

**جواب**: الف لام کی چار قسمیں ہیں۔

(۱) الف لام عہد ذہنی...... جیسے **لیس الذکر کا لا نثی** (ابھی مثال گزری ہے)

(۲) الف لام عہد خارجی جیسے **فعصی فرعون الرسول**۔ جس رسول کا ذکر پہلے ہوا وہی مراد ہیں۔

(۳) الف لام استغراقی جیسے **ان الانسان لفی خسر** (ابھی مثال

گزر گئی ہے)

(۴) الف لام جنسی جیسے **الرجل خیر من المرأۃ** جنس مرد جنس عورت سے بہتر ہے۔

اعراب: **وَقَدْ یُفِیْدُ الاِسْتِغْرَاقَ نَحْوُ اِنَّ الاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ۔**

**سوال**: استغراق کی دو قسموں کے نام بتائیں اور ان کی وضاحت کریں؟

**جواب**: استغراق کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) استغراق حقیقی (۲) استغراق عرفی

استغراق حقیقی سے مراد ہر وہ فرد ہے جس کو وہ لفظ لغت کے اعتبار سے شامل ہو جیسے **عالم الغیب والشھادۃ** ۔یہاں تمام غیب اور تمام ظاہر مراد ہے۔

استغراق عرفی یہ ہے کہ لفظ سے وہ تمام افراد مراد لئے جائیں جو عرف کے اعتبار سے سمجھے جاتے ہیں جیسے **جمع الامیر الصاغۃ**۔امیر نے تمام زرگر جمع کیے تو اس سے شہر یا مملکت کے تمام زرگر مراد ہوں گے۔

**سوال**: اگر کہا جائے کہ الصاغۃ صائغ کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے اور اسم فاعل اور اسم مفعول پر الف لام اسم موصول کا ہوتا ہے تو یہ مثال صرف مازنی کے مذہب کے مطابق ہے۔

**جواب**: اختلاف اس اسم فاعل اور اسم مفعول کے بارے میں ہے جو حدوث کے معنیٰ میں ہو کیونکہ وہ کہتے ہیں یہ اسم کی صورت میں فعل ہے (یعنی الضارب بمعنیٰ الذی ضرب) اگرچہ ماضی کے معنیٰ میں ہو اور جو حدوث کے معنیٰ میں نہ ہو تو وہ صفت مشبہ

کی طرح ہوتا ہے اور اس پر لام تعریف کا ہوتا ہے جیسے المومن، الکافر، الصائغ، الحائک وغیرہ اس پر سب کا اتفاق ہے لہذا یہ مثال اتفاقی ہے۔

**سوال: واستغراق المفرد اشمل من استغراق المثنی والمجموع الخ** عبارت کا ترجمہ اور تشریح کریں؟

**جواب:** اور مفرد کا استغراق (حرف تعریف کے ساتھ یا اس کے علاوہ جیسے اسم موصول کے ساتھ) وہ تثنیہ اور جمع کے استغراق سے زیادہ شامل ہوتا ہے۔

مصنف علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ مفرد، تثنیہ اور جمع تینوں کے استغراق میں سے مفرد کے استغراق کا عموم اور شمولیت زیادہ ہوتی ہے کیونکہ وہ ہر ہر فرد کو شامل ہوتا ہے جب کہ تثنیہ کا استغراق ہر دو دو کو اور جمع کا استغراق ہر جماعت جماعت کو شامل ہوتا ہے۔

جیسے گھر میں ایک یا دو افراد ہوں تو لا رجال کہنا صحیح ہے۔ لیکن لا رجل کہنا صحیح نہیں ہے کیونکہ لا رجل سے تمام افراد کی نفی ہو گی حالانکہ وہاں ایک یا دو فرد موجود ہیں لیکن لا رجال سے جمع کی نفی ہو گی ایک یا دو کی نہیں۔

**سوال:** اضافت کی ساتھ مسند الیہ کو معرفہ لانے کی وجوہ بتائیں؟

**جواب:** مسند الیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لانے کی وجوہ مندرجہ ذیل ہیں۔

(ا) اضافت مسند الیہ کو سامع کے ذہن میں لانے کا مختصر طریقہ ہے جیسے شاعر نے کہا۔

**ھوای مع الرکب الیمانین مصعد۔** میری محبوبہ یمنی سواروں کے ساتھ دور جا رہی ہے۔ ھوا مضاف اور یا مضاف الیہ ہے مسند الیہ کو اس طرح لانا

"الذی هواه" سے مختصر ہے یہاں ھوای بمعنی مھوِیٌ ہے۔

(۲) مسندالیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لانے میں مضاف الیہ یا مضاف یا ان دونوں کی عظمت وشان ظاہر ہوتی ہے جیسے **عبدی حضر** (مضاف الیہ یعنی متکلم کی شان) ظاہر ہورہی ہے۔ **عبد الخلیفه رکب** (مضاف یعنی غلام کی شان واضح ہوتی ہے) **عبد السلطان عندی** (مضاف اور مضاف الیہ کے غیر یعنی متکلم کی شان بتائی جارہی ہے)

(۳) کبھی اضافت کے ضمن میں مضاف یا مضاف الیہ یا ان کے غیر کی تحقیر پائی جاتی ہے لہٰذا اس مقصد کے لیے مسندالیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لایا جاتا ہے۔

مثالیں: **والد الحجام حاضر** (حجام کا والد حاضر ہوا) اس میں مضاف یعنی حجام کے والد کی تحقیر ہے کہ وہ حجام کا والد ہے۔

**ضارب زید حاضر** (زید کو مارنے والا حاضر ہے) اس میں مضاف الیہ یعنی زید کی تحقیر ہے کہ اُسے مار پڑی ہے۔

**ولد الحجام یجالس زیدا** (حجام کا بیٹا زید کے پاس بیٹھتا ہے) اس میں مضاف اور مضاف الیہ کے غیر یعنی زید کی تحقیر ہے کہ اس کا ہمنشین حجام کا بیٹا ہے۔

(۴) بعض اوقات مسندالیہ کی تفصیل متعذر ہوتی ہے یا مشکل ہوتی ہے تو اضافت کے ساتھ معرفہ لایا جاتا ہے۔

جیسے **اتفق اهل الحق** (اہل حق متفق ہو گئے) چونکہ اہل حق بے شمار ہیں اس لئے ان کی تفصیل متعذر ہونے کی وجہ سے اہل حق کہا یعنی جو بھی حق والے

ہیں وہ متفق ہوئے (یہ متعذر ہونے کی مثال ہے)

تفصیل کا بیان مشکل ہونے کی مثال ہے۔

**اهل البلد فعل كذا** (شہر والوں نے اس طرح کیا) چونکہ شہر والوں کی تفصیل بیان کرنا مشکل ہے تو اضافت کے ساتھ ذکر کیا گیا۔ پہلی مثال میں **اهل الحق** اور دوسری مثال میں **اهل البلد** مسند الیہ ہے۔

نوٹ: مسند الیہ کو اضافت کے ساتھ معرفہ لانے کی دیگر کئی مقاصد ہیں ارباب ذوق اصل کتاب کا مطالعہ کریں۔

**سوال:** مسند الیہ کو نکرہ کیوں لایا جاتا ہے۔ اس کی وجوہ بیان کریں؟

**جواب:** مسند الیہ کو نکرہ لانے کی درج ذیل وجوہ ہیں۔

(۱) بعض اوقات فرد غیر معین مراد ہوتا ہے جس پر اسم جنس صادق آئے تو مسند الیہ کو نکرہ لایا جاتا ہے جیسے **وجاء رجل من اقصى المدينة يسعى**۔ شہر کی دوسری جانب سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا۔ یہاں مسند الیہ "رجل" نکرہ ہے۔

(۲) یا نوعیت مقصود ہوتی ہے جیسے "**وعلى ابصارهم غشاوة**" (اور ان کی آنکھوں پر ایک خاص قسم کا پردہ ہے) یعنی پردے کی ایسی نوع جسے عام لوگ نہیں جانتے اور وہ اللہ کی آیات سے اندھے پن کا پردہ ہے۔

(۳) یا مسند الیہ کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔

جیسے ابن ابی السمط کا قول ہے۔

**له حاجب فى كل امر يشينه**۔ اس کے لئے ہر عیب پیدا کرنے والے کام میں بہت بڑی رکاوٹ ہے یہاں حاجب مسند الیہ کو نکرہ لا کر اس کی

عظمت بیان کی جارہی ہے۔

(۴) مسند الیہ کی تحقیر کے لئے ایسے نکرہ لایا جاتا ہے۔ ابن ابی السمط کے اسی شعر کا دوسرا حصہ ہے۔

**ولیس لہ عنہ طالب العرف حاجب** . اور اس کے لئے احسان کی طلب میں معمولی رکاوٹ بھی نہیں۔

یہاں حاجب کا نکرہ لانا اس کی حقارت کا بیان ہے یعنی اس کے احسان کرنے میں معمولی رکاوٹ بھی نہیں۔

(۵) بعض اوقات مسند الیہ کو نکرہ لانے کا مقصد اس کی تعظیم و تکثیر کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

جیسے **وان یکذبوک فقد کُذبت رسل من قبلک** .
اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں تو تحقیق آپ سے پہلے بے شمار عظمت والے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔

یہاں رسل کو نکرہ لا کر ان کی تعظیم اور کثرت دونوں باتیں واضح کی گئیں۔

نوٹ: مسند الیہ کے غیر کو نکرہ لانا بھی ان مقاصد کے لئے ہوتا ہے جیسے افراد اور نوعیت مثال **واللہ خلق کل دابۃ من ماء** (اللہ تعالیٰ نے ہر زمین پر چلنی والی چیز کو پانی سے پیدا کیا) یہاں دابۃ نکرہ ہے جو افراد کے لئے ہے یعنی دواب کا ہر ہر فرد اور ماء بھی نکرہ ہے اور اس سے پانی کی خاص نوع مراد ہے یعنی مادہ منویہ جو اس جانور کے ساتھ خاص ہے۔

اسی طرح مسند الیہ کا غیر تعظیم و تحقیر کے لیے نکرہ لایا جاتا ہے۔

تعظیم کی مثال **فاذنوا بحرب من الله ورسوله** : اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی کا چیلنج ہے) یہاں حرب نکرہ ہے یعنی یہ بڑی لڑائی ہے اور تحقیر کی مثال وان **نظن الا ظنا**۔ یہاں ظن نکرہ تحقیر کے لیے ہے یعنی حقیر ضعیف ظن۔

**سوال** : مسند الیہ کا وصف لانے کی وجوہ ذکر کریں؟

**جواب**: اس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) مسند الیہ کے معنی کو خوب کھولنا اور واضح کرنا جیسے **الجسم الطويل العريض العميق يحتاج الى فراغ يشغله**۔

یہاں طویل عریض عمیق صفات ہیں جو جسم کی معنی کو زیادہ واضح کرر ہے ہیں۔

(۲) مسند الیہ کا وصف لا کر اس کی تخصیص کی جاتی ہے یعنی اشتراک کم کیا جاتا ہے مثلا **زيد التاجر**۔ زید میں تجارت اور غیر کا احتمال تھا تو اس کی صفت التاجر لا کر اس احتمال کو ختم کر دیا۔ اور زید کی تجارت کی ساتھ تخصیص ہو گئی۔

(۳) وصف مدح اور ذم کے لیے لایا جاتا ہے کیونکہ وصف مدح اور ذم کے لئے بھی آتا ہے۔

مدح کی مثال: **جاء نی زید العالم** اور ذم کی مثال **زيد الجاهل**

(۴) کبھی مسند الیہ کا وصف تاکید کے لئے لایا جاتا ہے جب موصوف اس وصف کے معنی کو شامل ہو۔

جیسے **امس الدابر كان يوما عظيما**۔ (کل گزرا ہوا دن بہت عظیم دن تھا) لفظ امس گزشتہ دن پر دلالت کرتا ہے لہذا الدابر (گزشتہ) محض تاکید کے لیے لایا گیا۔

(۵) بعض اوقات وصف، بیان مقصود کے لئے ہوتا ہے جیسے ارشاد خداوندی:

**ومامن دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجناحیه۔**

زمین پر چلنے والی ہر چیز اور اڑنے والے تمام پرندے تمہاری مثل امتیں ہیں

دابۃ کا وصف فی الارض اور طائر کا وصف یطیر ایسا وصف ہے جو اس جنس کے

خواص سے ہے کیونکہ ان دونوں سے مقصود جنس ہے فرد نہیں۔ یعنی جنس دابہ اور جنس

طائر۔

**سوال:** مسندالیہ کی تاکید لانے کی وجوہ کیا ہیں؟

**جواب:** مسندالیہ کی تاکید درج ذیل مقاصد کے لیے لائی جاتی ہے۔

(۱) مسندالیہ کی تقریر یعنی اس کے مفہوم اور مدلول کو پکا کرنا مقصود ہوتا ہے تاکہ کسی اور کا

گمان نہ کیا جائے۔

**جیسے جاء زید زید۔**

یہ اس وقت ہوتا ہے جب متکلم کے خیال میں سامع مسندالیہ کا لفظ سننے سے

غافل ہوتا ہے۔

(۲) مجاز کا وہم ختم کرنے کے لئے مسندالیہ کو تاکید لائی جاتی ہے۔ **قطع اللص**

**الامیر** ۔(امیر ہی نے چور کا ہاتھ کاٹا)

یا الامیر ثانی کی جگہ "نفسہ" کے ذریعے تاکید کی جائے یعنی تاکید کے بغیر یہ

وہم ہو سکتا تھا کہ امیر کی طرف نسبت مجازی ہے تو تاکید کے ذریعے یہ وہم دور کر دیا۔

(۳) عدم شمولیت کے وہم کو دور کرنے کے لئے مسندالیہ کی تاکید لائی جاتی ہے جیسے:

**جاء فی القوم کلھم اجمعون** ۔ تمام کی تمام قوم آئی۔

کلھم اور اجمعون تاکید ہے۔ صرف جاء نی القوم سے یہ وہم ہوسکتا تھا کہ پوری قوم نہیں آئی بلکہ بعض افراد آئے تو اس وہم کو تاکید کے ذریعے دور کر دیا۔

**سوال:** مسندالیہ کے بعد عطف بیان لایا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

**جواب:** عطف بیان لانے کا مقصد مسندالیہ کے خاص نام کے ذریعے اس کی وضاحت کی جاتی ہے۔ مثلا **قدم صدیقک خالد** (تیرا دوست خالد آیا) صدیقک سے وضاحت نہیں ہو رہی تھی کہ کونسا دوست مراد ہے۔ تو خالد کہہ کر وضاحت کردی کیونکہ عطف بیان دو ناموں میں سے مشہور کے ساتھ ہوتا ہے۔

بعض اوقات مدح کے لیے بھی عطف بیان لایا جاتا ہے جیسے ارشاد خداوندی ہے:

**جعل الله الكعبة البيت الحرام قيا ما للناس۔**

اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو جو عزت والا گھر ہے لوگوں کے لیے قیام کا باعث بنایا۔

یہاں البیت الحرام عطف بیان ہے جس کے ذریعے الکعبہ کی مدح کی گئی کہ وہ عزت والا گھر ہے۔

(۳) کبھی عطف بیان شک و شبہ کو دور کرنے کے لیے آتا ہے جیسے **الا بعدا لعاد قوم هود**۔ سنو! حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کے لیے دوری ہے۔

چونکہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم یعنی قوم ثمود کو بھی عاد (عاد اولیٰ) کہا جاتا ہے تو قوم ہود فرما کر اس شبہ کو دور کر دیا۔

نوٹ: عطف بیان کے بارے میں مزید تحقیق مطول میں دیکھئے۔

**سوال:** مسند الیہ کا بدل کیوں لایا جاتا ہے وجوہ بتائیں؟

**جواب:** مسند الیہ کا بدل زیادت تقریر کے لیے لایا جاتا ہے۔ جیسے

**جاء زید اخوک** بدل الکل کی مثال

**جاء نی القوم اکثر ھم** بدل البعض کی مثال

**سلب عمرو ثوبه** بدل الاشتمال کی مثال

نوٹ: مصنف نے بدل الغلط کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ فصیح کلام میں بدل الغلط نہیں آتا۔

**سوال:** مصنف نے بدل میں لفظ زیادۃ التقریر فرمایا جب کہ تاکید کے بیان میں للتقریر فرمایا۔ فرق کی وجہ کیا ہے؟

**جواب:** اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نسبت میں بدل ہی مقصود ہوتا ہے اور تقریر زائد ہوتی ہے اور وہ بالتبع مقصود ہوتی ہے جب کہ تاکید میں نفس تقریر مقصود ہوتی ہے۔

**سوال:** مسند الیہ کو معطوف لانے کا کیا مقصد ہے؟

**جواب:** مسند الیہ کا کسی چیز کو معطوف بنانے کے کئی مقاصد ہیں۔

(۱) اختصار کے ساتھ مسند الیہ کی تفصیل بیان کرنا۔

جیسے **جاء نی زید و عمرو** یہاں **جاء نی زید و جاء نی عمرو** سے اختصار ہے جس میں یہاں دونوں کے لیے الگ الگ فعل لایا گیا۔

(۲) مسند کی تفصیل اختصار کے ساتھ بیان کرنا۔

جیسے **جاء نی زید فعمرو** یا **ثم عمرو**۔ اور **جاء نی القوم**

حتیٰ خالد یہاں تینوں میں مسند کی تفصیل کا اشتراک ہے البتہ جہت مختلف ہے یعنی فاء، ثم اور حتیٰ کے ذریعے عطف لایا گیا اور یہ جہت عطف مختلف ہے۔

(۳) حکم کو محکوم علیہ سے کسی اور کی طرف پھیرنا جیسے

**جاءنی زید بل عمرو اور ما جاءنی زید بل عمرو۔**

کیونکہ بل (بلکہ) حکم کو متبوع سے تابع کی طرف پھیرتا ہے۔

(۴) مسند الیہ پر کسی چیز کو معطوف کرنے کی وجہ متکلم کی طرف سے شک ظاہر کرنا یا متکلم کی جانب سے سامع کو شک میں ڈالنا یا ابہام پیدا کرنا بھی ہوتا ہے۔

جیسے **جاءنی زید او عمرو** ۔ یہاں او حرف عطف ہے متکلم کے شک یا اس کی طرف سے تشکیک دونوں کی مثال ہے اور ابہام کی مثال یہ ہے

**انا او ایاکم لعلی ھدی او فی ضلل مبین۔**

ہم یا تم ہدایت میں ہیں یا واضح گمراہی میں۔

(۵) تخییر یا اباحت کے لیے مسند الیہ پر کسی کو معطوف لایا جاتا ہے جیسے

**لیدخل الدار زید او عمرو۔**

اختیار ہے کہ زید گھر میں داخل ہو یا عمرو۔

نوٹ: تخییر اور اباحت میں فرق یہ ہے کہ تخییر فقط دونوں میں سے ایک کے لئے حکم کے ثبوت کا فائدہ دیتا ہے جب کہ اباحت میں دونوں کا جمع ہونا بھی جائز ہے لیکن یہ مدلول لفظ کے اعتبار سے نہیں بلکہ امر خارج کے اعتبار سے ثابت ہوتا ہے۔

**اعتراض** : ابن حاجب نے صراحت کی ہے کہ حرف "بل" مثبت فصیح کلام میں نہیں آتا لہذا اسے ترک کرنا اولیٰ ہے جس طرح بدل الغلط کو ترک کیا گیا۔

**جواب:** یہ بات محققین نحویوں کے قول سے ٹکراتی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر بدل الغلط حرف بل کے ساتھ آئے تو فصیح ہے اور ان کے کلام میں مطرد ہے کیونکہ اس قسم کی غلطی کے تدارک کے لئے آتا ہے۔

**سوال:** مسندالیہ کے بعد ضمیر فصل کو لانے کا کیا مقصد ہے؟

**جواب:** ضمیر فصل کو لانے کے مقاصد درج ذیل ہیں۔

(ا) مسندالیہ کی مسند کے ساتھ تخصیص یعنی مسند، مسندالیہ پر بند ہے جیسے

**زید هو القائم** زید ہی کھڑا ہے۔

یعنی کھڑا ہونا زیادہ پر بند ہے عمر کی طرف تجاوز نہیں کرتا۔

(۲) بعض اوقات یہ محض تاکید کے لیے آتا ہے جب تخصیص اس کے بغیر حاصل ہو جیسے:

**ان الله هو الرزاق**

یہاں ھو ضمیر کے بغیر بھی تخصیص ثابت ہے کیونکہ رزاق صرف اللہ تعالیٰ ہے لہذا یہاں ضمیر فصل تاکید کے لیے ہے۔

مسندالیہ کی مسند پر قصر۔ یعنی یہ مسندالیہ مسند پر بند ہے جیسے **الكرم هو التقوىٰ** یعنی تقویٰ ہی کرم ہے کوئی دوسری چیز نہیں۔

**سوال:** مسندالیہ کو مسند پر مقدم کیوں کیا جاتا ہے؟

**جواب:** مسندالیہ کو مسند پر اس لیے مقدم کرتے ہیں کہ اس کا ذکر اہم اور اصل ہے اور اس سے عدول کا مقتضی موجود نہیں۔

(۲) خبر کو سامع کے ذہن میں پکا کرنا ہوتا ہے کیونکہ جب مسند الیہ

(مبتدا) مقدم ہو تو خبر کا شوق بڑھ جاتا ہے جیسے شاعر ابو العلاء نے کہا۔

والذی حارت البریۃ فیہ

حیوان مستحدث من جماد

جس چیز سے مخلوق کو حیرانگی ہوئی وہ پتھر سے پیدا ہونے والا حیوان ہے۔ تو "والذی حارت البریہ" مسند الیہ ہے جب یہ شروع میں آیا تو سامع کو خبر سننے کا ذوق اور دلچسپی پیدا ہوگئی۔

(۳) نیک فالی کے لیے جیسے:

سعد فی دارک

لفظ سعد نیک فالی کے لیے ہے۔

(۴) بد فالی کے طور پر جیسے:

السفاح فی دار صدیقک

لفظ سفاح (ظالم) بد فالی کے لیے ہے۔

(۵) اس بات کی طرف اشارہ کرنا کہ مسند الیہ دل سے نہیں نکلتا

(۶) یا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا نام لینے سے لذت حاصل ہوتی ہے۔

(مسند الیہ کو مقدم کیا جاتا ہے)

(۷) مسند الیہ کی تعظیم کا اظہار مقصود ہو تو اسے مقدم کیا جاتا ہے۔

جیسے رجل فاضل فی الدار گھر میں فاضل شخص ہے۔

(۸) مسند الیہ کی تحقیر کے لئے اسے مقدم کی جاتا ہے جیسے:

رجل جاھل فی الدار۔

**نوٹ:** بعض اوقات مسند الیہ کو اس لیے مقدم کیا جاتا ہے کہ خبر فعلی کے ساتھ اس کی تخصیص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے جب اس کے ساتھ حرف نفی ملا ہوا ہو جیسے **ما انا قلت** میں نے یہ نہیں کہا لیکن میرے غیر نے کہا ہے تو اس تقدیم سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اس مذکور سے نفی اور دوسروں کے لیے اثبات ہوتا ہے۔